ہ تصاویر ملی ہیں' اور ساتھ میں اس کال کی آڈیو جو فارس نے مجھے کی تھی۔ یہ دونوں ایک ہی وقت میں کاپی کی گئی ہیں' آج سے ڈیڑھ سال
یہ تصویریں مجھے اور زرتاشہ کو گولی مار دینے کے بعد کی ہیں۔'' زمر نے لیپ ٹاپ کا رخ اس کی طرف موڑا۔ احمر سنجیدگی سے اسکرین کی
توجہ ہوا' مگر تصاویر دیکھ کر... اس کے لب کھل گئے' آنکھیں صدمے اور تعجب سے پھیلیں۔

پھر اس نے خود ہی اسکرین فولڈ کر دی۔ زمر بظاہر نارمل اور پرسکون' اس کو دیکھ رہی تھی۔

''آئی ایم سوسوری!''

''میں غلط ہو سکتی ہوں اپنی جانبداری کی وجہ سے' مگر آپ بتایئے۔'' وہ ٹھہری۔ ''آپ کے خیال میں، کیا فارس یہ پکچرز لے سکتا

''

احمر کا سر نفی میں ہلا۔ ''کبھی نہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ murderer ہو سکتا ہے' monster نہیں۔ اور یہ تصویریں...'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اونہوں۔ دیکھیں' آنر کلنگ
والی ہی ان دو لوگوں کو اپنی زندگی سے مٹانے کے لئے ہے' یہ ہاٹ بلڈڈ مرڈر ہوتا ہے' مگر ایسی تصویریں... یہ تو کولڈ بلڈڈ مرڈر پہ لی جاتی ہیں
ان میں آپ کی اپنے شکار کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہوتی۔ نہ محبت' نہ نفرت۔ وہ آپ کے لئے صرف آپ کی مہارت کا ثبوت ہوتا
ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل' کیونکہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں فارس کے بارے میں ہر بات پہ یقین کر سکتی ہوں' مگر
وہ اس حد تک نہیں جا سکتا۔ وہ یہ نہیں کر سکتا۔'' اس نے پٹی میں بندھے انگوٹھے کو جوتے سے مسلا۔ میز کی چمکتی سطح میں اپنا عکس نظر آیا تو وائٹ
گولڈ کی نتھ چمکی، مگر اس ننھے ''الماس'' (ہیرے) والی لونگ جیسی چمک اس میں نہ تھی۔

احمر چند لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔ ریسٹورانٹ میں لوگوں کی چہل پہل سے وہ دونوں کٹ چکے تھے۔

''مسز زمر' آپ کو کچھ اور بھی چاہیے شاید مجھ سے؟''

زمر نے ہلکی سی گردن ہلائی۔ ''مجھے ایک قابلِ اعتماد انویسٹی گیٹر چاہیے اور مجھے پتہ ہے کہ آپ اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔
میں چاہتی ہوں' آپ مجھے پتہ کر کے دیں کہ یہ تصویریں ہوٹل کے کس کمرے سے لی گئی ہیں' کس نے لیں۔ اور سعدی کو یہ کہاں سے ملیں؟ مجھے
لگتا ہے وہاں کوئی اور بھی تھا۔ یہ فارس نہیں ہے' تو پھر کون ہے؟ ہو سکتا ہے اسی شخص کا سعدی کی گمشدگی میں ہاتھ ہو۔ فارس کے دشمن ہیں' اور
سعدی کو اسی کے دشمنوں نے غائب کروایا ہے۔''

''شیور۔ میں پتہ لگانے کی کوشش کرتا ہوں' اور آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرے اور آپ کے درمیان رہے گا۔''

''فارس...'' زمر کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ احمر نے غور سے اسے دیکھا۔ ''جی؟''

''آپ کا کبھی کسی غصہ ور آدمی سے واسطہ پڑا ہے احمر؟''

''جی۔ میرے ابو۔ بہت غصہ ور تھے۔ اسی لیے تو میں اتنا سوئیٹ ہوں۔''

''غصہ ور آدمی پتہ ہے کیسا ہوتا ہے؟ اسے جلد غصہ چڑھتا ہے، پھر وہ نہیں دیکھتا کہ آگے کون ہے، بس اسے رگید دیتا ہے، پھر غصہ
ٹھنڈا ہوتا ہے تو معافی مانگتا ہے، دوبارہ کبھی غصہ نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے، اور کچھ دن بعد پھر وہی حرکت کرتا ہے۔ مگر فارس... وہ ایک طرف ایک
فصیلا انسان مشہور ہے، مگر۔ کوئی چیز ایڈاپ نہیں ہوتی اس کے پرسنالٹی اسکیچ میں۔ کچھ غلط ہے۔ وہ جیل میں کیسا تھا؟''

''وہ اپنا سارا وقت... مطلب زیادہ وقت... لڑائی جھگڑوں میں گزارتا تھا' یونو... پھڈے' گروہ بندیاں' اور وہ دوسروں کے لئے ہی

لڑتا تھا۔ اگر اتنا وقت وہ اپنے پرزن رائٹس حاصل کرنے کے لئے لگاتا تو آج جیل جنت بن چکی ہوتی۔ ویسے میں ایک تحریک شروع کرنا چاہتا ہوں، قیدیوں کے پرزن رائٹس کے حوالے سے، اور.....''

''تھینک یو احمر!'' وہ ذرا تکان سے مسکرائی۔ ''تو آپ میرے لئے کام کریں گے؟''

''بالکل، مگر کچھ وقت لگے گا۔ اور... میم۔ میں پندرہ ہزار فی گھنٹہ لوں گا۔ میرے علاوہ آپ کسی سے یہ کام کروا بھی نہیں سکتیں!''

''اس کو دوسرے لفظوں میں بلیک میلنگ کہتے ہیں۔''

''نہیں، اس کو ایک ایکسپرٹ ہائر کرنے کی فیس کہتے ہیں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ ہارون عبید مجھے کتنا پے کر رہے ہیں؟''

''کون ہارون عبید؟''

احمر کا منہ بنا۔ ''آپ اتنے مشہور سیاستدان کو نہیں جانتیں، میں نہیں مان سکتا۔''

''اچھا وہ ہارون عبید۔ انہوں نے تو ایک اسکینڈل کے بعد فارن منسٹری سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اب کہاں سے آ گئے؟''

''آہ، ہمارے سیاستدان! یہ کچھ عرصہ Hibernite کرتے ہیں، پھر دوبارہ میدان میں آ جاتے ہیں، اور اپنا امیج درست کرنے کے لئے ان کو ہمارے جیسے کنسلٹس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب دیکھئے گا، تین ماہ کی میڈیا کیمپئن کے بعد میں ان کو کیسے مشہور کرتا ہوں۔'' زمر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی چلتی زبان کو روکا۔

''میں قائل ہو گئی آپ کی فیس کے لئے۔ مگر میرا کام ہونا چاہیے۔''

''شیور!'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بالآخر زمر یوسف کو کچھ سکون ملا تھا۔

.....❖❖❖.....

بجھ گئی شمعِ حرم، بابِ کلیسا نہ کھلا ..... کھل گئے زخم کے لب، تیرا دریچہ نہ کھلا

جب زمر گھر آئی تو کمرے میں وہ صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا، گھٹنے پہ رکھے لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا۔ آہٹ پہ بھی نظر انداز کرتا کام کرتا رہا۔

''کل میں جاؤں گی ڈاکٹر توقیر سے ملنے۔ جیسا کہ ہم نے ڈیسائڈ کیا تھا۔'' وہ پرس اور فائلز سائیڈ ٹیبل پہ رکھ رہی تھی۔

''اونہوں۔ ابھی کچھ دن ٹھہر جائیں۔'' زمر نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''فارس، نیاز بیگ والے واقعے کو آٹھ دن گزر چکے ہیں، اب مزید کتنا انتظار کریں گے؟ اگر تب تک سعدی نہ رہا تو؟''

''وہ لوگ اسے نہیں ماریں گے، اگر مارنا ہوتا تو اوٹی میں مار دیتے۔ یہ آپ نے ہی کہا تھا۔'' وہ ٹائپ کر رہا تھا۔

''مگر جو مقصد انہیں اس سے چاہیے وہ پورا ہو گیا تو وہ اسے زندہ کیوں رکھیں گے؟''

''وہ ایک سائنسدان ہے، ایک حساس ادارے کا سائنسدان۔ وہ اس سے ہر ممکن کام لیں گے۔ اور چند دن کی ہی تو بات کر رہا ہوں میں۔ آگے آپ کا ہی فیصلہ ہو گا۔''

وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ''میرا نہیں خیال کہ اب فیصلے میں کر رہی ہوں۔ فی الحال تو تم ڈیسائڈ کر رہے ہو کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟'' فارس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''پتہ نہیں آپ کیا بولے جا رہی ہیں۔ میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر توقیر دبئی میں ہے۔ ذرا دونوں میاں بیوی آ جائیں، پھر ہم ان کو دیکھ لیں گے۔''

''دونوں میاں بیوی؟ اس کی بیوی کا کیا ذکر؟''

اور فارس غازی کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھمیں' ایک دم رک کر اس نے زمر کو دیکھا۔

''میرا مطلب تھا' ہم دونوں۔''

''نہیں' تمہارا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ سامنے کھڑی' چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔''تم نے اس کی بیوی کا ذکر کیوں کیا؟''

''زمر' میں سارے دن کا تھکا ہوا آیا ہوں' کیا اس وقت میرا دماغ خراب کرنا ضروری ہے؟'' ایک دم غصے سے اکتا کر اٹھا اور لیپ ٹاپ اٹھائے باہر نکل گیا۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر مڑی تو دیکھا' صوفے پہ اس کا والٹ پڑا تھا۔

زمر نے چند لمحے کے لئے سوچا' پھر والٹ اٹھایا۔ اندر جھانکا' اس میں پیسے تھے۔ چند ایک وزٹنگ کارڈز اور اے ٹی ایم کارڈ۔ اس نے وہی نکالا۔ اوپر جلی حروف میں لکھا تھا۔

Faris Taheer Ghazi

''فارس طہیر غازی؟'' وہ بڑبڑائی۔''مجھے تو اس کا پورا نام بھی نہیں معلوم۔'' کارڈ واپس رکھ کر اس نے والٹ وہیں ڈال دیا۔ پھر وہ بیڈ پہ بیٹھی اور سینڈل اتارتے ہوئے سوچنے لگی۔

(مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک قاتل ہے' اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ سعدی کے ساتھ مخلص ہے۔ مگر اس کے علاوہ میں کیا جانتی ہوں فارس کے بارے میں؟ ایک کم گو' غصہ ور اور پراسرار شخص۔ مگر اس سے ہٹ کر... فارس غازی کون ہے؟) وہ سوچ میں گم بیٹھی رہی۔

پھر ایک دم وہ اٹھی۔ نیچے آئی تو فارس نہیں تھا۔ بیرونی برآمدے سے آوازیں آ رہی تھیں، وہ ندرت کے ساتھ باہر بیٹھا تھا۔ زمر دبے قدموں سے چلتی بیسمنٹ کی سیڑھیاں اترنے لگی۔ نیچے تہہ خانہ اندھیر پڑا تھا۔ اس نے ایک ہی بتی جلائی، تو وہ وسیع کمرہ نیم اندھیر ہو گیا۔

وہاں کونے میں ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ تھا، جیسے کوئی اسٹور وغیرہ ہو۔ فارس نے اس کو شادی کی پہلی رات بتا دیا تھا کہ بیسمنٹ کی چابی وہ اس کو نہیں دے رہا، ادھر زرتاشہ کی چیزیں پڑی ہیں۔ پھر جب حنہ لوگ ادھر آ کر رہنے لگے تو سامان رکھنے کے لیے اس نے بیسمنٹ کھول دی، مگر یہ کمرہ..... زمر اس کے بند دروازے کے سامنے آ کر ٹھہری... اس کی چابی اب بھی اس نے کسی کو نہیں دی تھی۔ کیا رکھتا تھا وہ اس میں؟ اکثر وہ اسے بیسمنٹ سے اوپر آتے دیکھتی تھی۔ بار بار اسے اس کمرے میں جانے کی کیا ضرورت پڑتی تھی؟

زمر نے اس کمرے کا لاک گھمایا، وہ مقفل تھا۔ ذرا دھکا دیا۔ بے سود۔

''آپ ادھر کیا کر رہی ہیں؟''

آواز تھی کہ صور، وہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔

نیم اندھیرے میں وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے پہ سختی تھی اور آنکھوں میں برہمی۔ تہہ خانے میں اس رات عجیب سی پرسراریت بکھری تھی۔ زمر دو قدم پیچھے ہٹی۔ کمر دیوار سے جا لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس طرف آ رہا تھا۔

''میں...'' زمر نے تھوک نگلا۔ سابق ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے سارے الفاظ اس اندھیر کمرے میں کھو گئے تھے۔''میں... سعدی کی چیزیں دیکھنے آئی تھی۔''

وہ اس کے عین سامنے آ رکا، چبھتی نظریں اس کی آنکھوں پہ گاڑھیں۔

''سعدی کی چیزیں یا میری؟'' ایک قدم مزید قریب آیا۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، مگر بظاہر گردن کڑا کر بولی۔''میں جو بھی کروں، تم سے مطلب؟'' اور سر جھٹک کر ساتھ سے گزر

نے لگی، کہ فارس نے اسے دونوں کہنیوں سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے واپس دیوار سے لگایا۔

''میں نے آپ کو.....منع کیا تھا.....ادھر آنے سے...'' چبا چبا کر، اس کو گھورتے وہ بولا تو زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ ''منع کیا تھا یا نہیں؟''

''کیا...تھا۔'' اس کے الفاظ اٹکے۔ جنگل کی وہ رات اور اس کا سحر غائب ہو گیا، وہ پھر سے اس ریسٹورانٹ میں تھی اور وہ اسے کال پہ کہہ رہا تھا، وہ بدصورت اور خوفناک باتیں جو اسے کبھی نہیں بھولتی تھیں۔ ایک اس دن اسے فارس سے ڈر لگا تھا، اور ایک آج رات اسے ڈر لگ رہا تھا۔

''تو پھر شرافت کی زبان آپ کے اس الٹے دماغ کو کیوں سمجھ نہیں آتی، ہاں؟'' غصے سے بولا تو زمر کی اس پہ جمی آنکھوں میں گویا سانس رکنے کی کیفیت سمونے لگی۔ مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے، میں دیکھنے آئی تھی تمہاری چیزیں۔ پھر کیا کر لو گے تم؟ میں...تم سے نہیں ڈرتی!''

''اچھا؟ بند کر کے چلا جاؤں آپ کو اسی کمرے میں دو چار دن کے لیے؟ ڈرتی تو نہیں ہیں نا آپ!'' اسے کہنیوں سے پکڑے جھٹکا سا دیا۔

''مجھے مین ہینڈل مت کرو۔'' بدقت اس نے اپنے بازو چھڑانے چاہے مگر بے سود۔

''میری بات کان کھول کر سنیں زمر بی بی!'' پرتپش نظروں سے اسے دیکھتے، وہ چبا چبا کر بولا۔ ''میں جتنا آپ کا لحاظ کرتا ہوں، اتنی آپ بڑھتی جاتی ہیں۔ کسی دن مجھ سے واقعی اپنا قتل کروا کر رہیں گی، اس لیے آئندہ...آئندہ اگر میں نے کبھی آپ کو اپنی چیزوں کے قریب بھی پھٹکتے دیکھ لیا نا، تو دیکھئے گا، کہ کیا حال کرتا ہوں آپ کا۔ ابھی جانتی نہیں ہیں آپ مجھے۔'' جھٹکے سے اسے چھوڑا، اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکی، تیزی سے بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ ابا اور سیم کے کمرے سے ملحقہ اسٹڈی روم میں آ کر اس نے دروازہ لاک کر لیا۔ پھر گہرے گہرے سانس لیتی دروازے سے پشت ٹکائے آنکھیں بند کیے کتنی ہی دیر کھڑی رہی۔

''تمہیں اس سے شادی ہی نہیں کرنی چاہیئے تھی زمر، اب بھگتو!'' عادت کے برخلاف اس نے خود کو ملامت کیا۔ کتنی ہی دیر پھر وہ ادھر ہی کھڑی رہی۔ یہ تو طے تھا کل صبح تک وہ واپس کمرے میں نہیں جائے گی۔

آج دوسری دفعہ اسے فارس سے ڈر لگا تھا۔

.....❖❖❖.....

زبان پہ مہر لگی ہے تو کیا، کہ رکھ دی ہے ..... ہر ایک حلقہ ء زنجیر میں زباں میں نے!

سعدی یوسف کا وہ کمرہ بجن خاموش پڑا تھا۔ دفعتاً باتھ روم کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ قدرے لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ بیڈ کا سہارا لیا' اور بیٹھا۔ پھر بند دروازے کو دیکھا۔ چند لمحے سوچا۔ اور جھک کر سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا۔ اندر ایک پیچ رکھا تھا جو اس نے سنک کے نیچے سے اتارا تھا۔ اس نے یہ پیچ بالکل خشک کر کے ادھر رکھا تھا۔ اب چند دن بعد وہ اسے نکال کر دیکھ رہا تھا۔

پیچ پہ زنگ لگ چکا تھا۔ سعدی مسکرایا۔ اس نے اپنی گردن کو چھوا جہاں ہلکا ہلکا سا پسینہ مسلسل آیا رہتا تھا۔ اس کا شک ٹھیک تھا۔ ہوا نم تھی۔ کچھ زیادہ ہی نم۔ وہ یقیناً کسی ایسے شہر میں تھا جو سمندر سے قریب تھا۔

(اور ہاشم کو لگتا ہے کہ میں بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا تو یہ اس کی بھول ہے۔)

پیچ رکھ کر اس نے ٹیک لگائی اور سائیڈ ٹیبل سے قرآن اٹھا لیا۔ چہرے کے زخم اب تقریباً مندمل ہو چکے تھے۔ البتہ وہ پہلے سے کمزور لگتا تھا۔

آج کتنا واں روزہ ہے' کچھ نہیں معلوم۔ وہ کتنے سپارے پڑھے گا' کوئی حساب نہیں' کبھی دل چاہتا تو پڑھتا جاتا' کبھی اتنا بے زار اور اداس ہوتا کہ دو دو دن قرآن نہ کھولتا۔

(سب اس وقت کیا کر رہے ہوں گے؟ امی چھوٹے باغیچے والے گھر میں افطاری بنا رہی ہوں گی' کبھی ماموں اور پھپھو بھی آ جایا کرتے ہوں گے' اور ابا تو اب امی اور حنہ کے ساتھ رہتے ہوں گے....) اس نے بھٹکتے ذہن کو قرآن کے صفحات پہ مرکوز کرنا چاہا۔

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔'' تعوذ پڑھ کر اس نے النمل وہیں سے کھولی جہاں سے اس روز چھوڑی تھی۔

''اور بے شک ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو علم....!''

سعدی کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔ (گھر والوں کی یاد محو ہونے لگی۔) ''واہ... اللہ تعالیٰ... اس طرح کی آیات اور... یہ شاہانہ انداز... دی کنگ آف آل کنگز... جب آپ فرماتے ہیں' ہم نے یہ کیا' تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ بہت فخر محسوس ہوتا ہے۔ میں بتوں کو پوجنے والوں' انسانوں کو خدا کا بیٹا ماننے والوں اور قبروں کو سجدہ کرنے والوں کے سامنے گردن اٹھا کر فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ دیکھو، میرا رب تو یہ ہے! بادشاہوں کا بادشاہ! میرے اور اس کے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہے!'' نرمی سے مسکراتے' سر جھکائے وہ کہہ رہا تھا۔ (اور اللہ کی باتیں تو ختم نہیں ہوتیں' سو سعدی نے آیات کے الفاظ پہ توجہ دی۔)

''ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو علم! اور ان دونوں نے کہا' سب تعریف اللہ کے لئے ہے' جس نے فضیلت دی ہم کو' بہت سے مومن بندوں کے اوپر۔'' اس نے رک کر ذرا سوچا۔ ''کتنی امیزنگ بات ہے اللہ تعالیٰ۔ اکثر ہماری فیملیز میں کئی بچوں میں سے ایک یا دو بہت لائق نکلتے ہیں' ماں باپ اپنی تربیت پہ اتراتے ہیں اور وہ بچے اپنی ذہانت پہ' مگر آپ کہتے ہیں کہ جیسے داؤد علیہ السلام کے ۱۹ (انیس) بیٹوں میں سے صرف ایک سلیمان علیہ السلام کو آپ نے خاص علم عطا کیا تھا' ویسے ہی ہر ایک کو' مجھے بھی' علم آپ نے ہی دیا۔ عمل بھی آپ دیتے ہیں' اگر ماں باپ دیتے تو ساری اولاد کو دے دیتے' مگر باقی اولاد کو بھی آپ نے ضرور کچھ اور عطا کیا ہوتا ہے۔ پتہ ہے اللہ تعالیٰ' لوگ مجھ سے اکثر پوچھتے ہیں' سعدی تمہیں اتنا اچھا قرآن کس نے سکھایا؟ میں کہتا ہوں' مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔ آپ اسی سے علم کے لیے دعا کریں' وہ آپ کو مجھ سے بھی اچھا قرآن سکھائے گا۔''

قید خانے کا وہ کمرہ اس تپتی دوپہر میں بھی کھلے پہاڑی مقام کی طرح ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ سعدی اردگرد سب کچھ بھلائے بس ان الفاظ کو پڑھ رہا تھا۔

''اور وارث ہوئے سلیمان' داؤد کے۔ اور کہا (سلیمان نے) کہ اے لوگو' ہم سکھائے گئے ہیں' پرندوں کی بولیاں' اور ہمیں عطا کی گئی ہے ہر چیز! بے شک یہ وہ فضل ہے جو روشن (نمایاں) ہے۔'' گھنگریالے بالوں والے لڑکے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اور فلمی اداکاروں' سیاسی لیڈرز اور ایسے تمام لوگ جن کی وجہ شہرت وہ کام ہیں جو اللہ کو نہیں پسند' ان سب کی پرستش کرنے والے پرستاروں کے سامنے میں گردن اٹھا کر کہہ سکتا ہوں' کہ دیکھو' میرے آباء تو یہ لوگ ہیں۔ جو انبیاء ہیں۔ جو اتنی شان سے بات کرتے ہیں۔ انہیں اللہ نے کیا کیا نہیں عطا کیا' اور انہوں نے اپنا علم روک کر نہیں رکھا' بخل نہیں کیا۔ نعمتوں کا اعتراف کیا اور یہی شکر ہوتا ہے۔ اور ہم لوگ۔'' اس کی مسکراہٹ اداسی میں بدلی۔ ''ہمیں تو ذرا سا ہنر آ جائے' ہم کسی کو بتاتے نہیں کہ کہیں وہ ہم سے اچھا نہ کر لے۔ اتنے تنگ دل کیوں ہیں' اللہ تعالیٰ؟''

کمرے میں اس وقت سکینت ہی سکینت اتری تھی۔ ٹھنڈی میٹھی سی چھایا۔ وہ سر جھکائے' آگے پڑھنے لگا۔

''اور اکٹھے کیے گئے سلیمان کے لئے ان کے لشکر' جنوں میں سے' اور انسانوں میں سے' اور پرندوں میں سے' تو وہ پورے ضبط میں

رکھے گئے تھے۔''

سعدی نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔

''اللہ تعالیٰ! ضبط کے لئے جو لفظ آپ نے استعمال کیا ''وزع'' اس کا اصل لغوی مطلب کیا تھا بھلا؟'' کچھ دماغ آج کل سست رہتا تھا' سو ذرا دیر سے یاد آیا۔ ''ہاں! فوج کو ترتیب وار حصوں میں رکھنا۔ ایک دوسرا مطلب بھی تھا۔'' ذرا ذہن پہ زور دیا۔ ''شاید... روکنا اور منع کرنا۔ سو بات یہ ہے اللہ تعالیٰ۔'' آنکھیں کھول کر وہ ذرا سکون سے اپنی بات سمجھانے لگا۔ ''کہ جنوں اور پرندوں کو تو رہنے دیں' صرف انسانوں پہ حکمرانی کرنے کے لئے' اپنا راج قائم رکھنے کے لئے' بھلے وہ گھر کا ہو یا کسی ادارے کا' یا پورے ملک کا' ڈسپلن سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اور جب اس ڈسپلن کو بھی ڈسپلن کرنا چاہیئے۔ نہ زیادہ روک ٹوک ہو' نہ کم... خیر... پھر کیا ہوا؟'' بہتیرے بار پڑھی سورۃ ہر دفعہ نئی لگتی' سو دلچسپی سے اگلی آیت کی طرف آیا۔

''یہاں تک کہ وہ (سلیمان علیہ السلام) جب آئے چیونٹیوں کی ایک وادی تک...'' (وہ ہلکا سا مسکرایا۔ یہ چیونٹیاں اسے کتنی پسند تھیں۔) ''تو کہنے لگی' ایک (ملکہ) چیونٹی' یاایھا النمل (اے چیونٹیو) اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ' یہ نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کے لشکری تمہیں روند ڈالیں!''

''ارے واہ... آج کی آیات اتنی regal آ رہی ہیں اللہ تعالیٰ' میں تو خود کو ایک قیدی محسوس ہی نہیں کر رہا۔ پہلے آپ' پھر سلیمان علیہ السلام' پھر چیونٹی! ہر کسی کی اپنی شان ہے۔'' اس نے کھلے دل سے سراہا۔ ''اب یہ چیونٹی... نہ ڈری' نہ گھبرائی' نہ بھاگی' اس نے پہلے باقی سب کا سوچا' وہ ملکہ تھی' اس نے اپنی جماعت کی خیر خواہی چاہی' مگر وہ ذہین بھی تھی' اس کو معاملہ ڈیل کرنا آتا تھا۔ شور نہیں مچایا' پورے وقار اور بردباری اور تحمل سے چیونٹیوں کو مخاطب کر کے اندر جانے کا کہا' اور پھر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں' اس نے بھی چھوٹی حرکت نہیں کی' بڑا دل رکھا' اچھا گمان کیا کہ اگر بالفرض سلیمان کا لشکر تمہیں روند بھی دیں تو بے خبری میں ایسا ہوگا۔ آپ سے اونچے اور بڑے لوگ عادتاً آپ کو روند کر نکل جاتے ہیں' اپنی حفاظت آپ کو خود کرنی ہوتی ہے۔ اللہ پتہ ہے کیا' میری ٹیچر کہتی تھیں' نمل ذہین females کی سورۃ ہے۔ اس میں ایک چیونٹی ہے' جو چیونٹی ہو کر بھی ملکہ ہے' اور اس میں ایک ملکہ ہے' ملکہ بلقیس (ملکہ سبا)... وہ ملکہ ہو کر بھی ایک چیونٹی ہی ہے۔ دیکھا جائے تو ساری عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ کسی کے لئے ملکہ اور کسی کے لئے چیونٹی ہوتی ہیں۔''

اس ٹھنڈی چھایا والے کمرے میں بیٹھا وہ لڑکا' اداسی سے مسکراتے ہوئے بولے جا رہا تھا جب دروازہ کھلا۔ سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ مایا اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھوں میں بے پناہ حزن تھا۔ وہ اس کے کندھے کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ قرآن اس کے ہاتھ سے لے کر سائیڈ ٹیبل پہ دھرا۔ آنکھیں بند کیں' اپنے جسم پہ صلیب کا نشان بنایا۔ ''خداوند یسوع مسیح' مجھے معاف کرنا۔'' پھر آنکھیں کھولیں' اور اس کی متعجب نظروں سے نگاہیں ملائے بغیر ایک انجیکشن اس کے بازو میں پیوست کیا۔ وہ ابھی سوال بھی نہیں کر سکا تھا کہ سوئی چبھی' اور پھر... ایک دم ساری دنیا ساکن ہوتی گئی۔ منظر دھندلاتا' پھر واضح ہوتا' پھر دھندلاتا' وہ ہل بھی نہ سکا' اس کا جسم سن ہو چکا تھا۔ مایا نے اسے لٹایا' کروٹ کے بل' یوں کہ اس کا چہرہ دروازے کی طرف تھا' اور دونوں بازو اسی سمت گرے ہوئے تھے۔ چہرہ شاکڈ اور ساکن تھا' جیسے وہ بت بن گیا ہو' مگر آنکھیں سب دیکھ رہی تھیں۔

مایا سر جھکائے باہر نکلی اور کھلے دروازے سے... سعدی کی بے جان آنکھوں نے دیکھا کہ ایک تھری پیس نفیس سوٹ میں ملبوس' وجیہہ اور اسمارٹ سا آدمی اندر داخل ہوا ہے۔ اس کے بال جیل لگا کر پیچھے سیٹ تھے' کلائی کی گھڑی' چمکتے بوٹ۔ وہ سب دیکھ سکتا تھا۔

کسی نے کرسی لا کر رکھی اور وہ سعدی کے قریب بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ شاہانہ انداز میں کرسی کی پشت پہ بازو پھیلایا۔

''ہیلو اگین... سعدی!'' ہاشم کی آواز بھاری ہو کر اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ بنا پلک جھپکے' نیم مردہ سا پڑا اسے دیکھے گیا۔

''کیسے ہو تم؟ اوہ آئی ایم سوری۔ اس انجیکشن کے لئے، چند گھنٹوں میں تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں' بس یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم مجھ پہ حملہ کرو اور تمہارے زخم ادھڑیں۔ مجھے تمہاری فکر ہے بچے۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہاری فکر صرف مجھے ہی ہے۔ تبھی تو عید سے کچھ دن پہلے میں اسپیشل تمہارے پاس آیا ہوں' تمہارا عید کا تحفہ لے کر۔''

آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' انگلی سے تھوڑی مسلتے کہہ رہا تھا۔

''کیا تم میرا شکریہ ادا نہیں کرنا چاہو گے؟ میں نے تمہاری جان بچائی' کیونکہ میں سعدی... میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ایک اتنے ذہین اور قابل سائنسدان کو ضائع کیوں ہونے دوں؟ دیکھو میں نے تمہیں ایک اچھی آفر دی تھی' کہ میرے لئے کام کرو' مگر تم نے جواب میں کیا کیا؟ تم نے میرے بھائی کو گالی دی۔ مگر میں تمہارا ہر قصور معاف کر رہا ہوں۔ آج سے ہم نئی شروعات کریں گے۔''

سعدی اسی طرح' بے جان' مردہ سا' خالی آنکھوں اور مفلوج بدن کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔ وہ اب جیب سے ایک بڑا پیکٹ نکال رہا تھا۔

''مگر اس سے پہلے... تمہارا عید کا تحفہ۔'' پیکٹ سے اس نے ایک لارج فوٹو گراف نکالا۔ ''تمہیں معلوم ہے' تمہاری فیملی شفٹ ہو گئی ہے' گیس کرو کدھر؟ میرے گھر کی انیکسی میں۔ تم نے کہا تھا کہ میں ان سے دور رہوں' مگر وہ خود قریب آ گئے ہیں۔''

سعدی کی مفلوج آنکھوں میں سرخی سی ابھرنے لگی۔ مگر وہ ہل نہیں سکتا تھا۔ ہاشم نے تصویر اس کے سامنے کی۔ (لان کا منظر' سارہ اور ذکیہ خالہ کے ساتھ افطار کی میز پہ ہاشم' اہل اور نور کو پیار کر رہا تھا۔ یہ تصویریں اس دن اس کے حکم پہ فیونا نے لی تھی۔)

''دیکھو تمہاری باس بھی عرصے بعد تمہارے گھر آ گئی' میں بھی کچھ دیر بیٹھا ان کے ساتھ' وہ سب یوں بات کر رہے تھے جیسے تم مر چکے ہو۔''

مفلوج پڑے سعدی کا دل مفلوج نہیں تھا اور وہ بری طرح ڈوبا تھا۔ (سارہ خالہ نے کسی کو نہیں بتایا؟)

ہاشم نے تصویر اچھال دی۔ وہ سعدی سے ٹکرا کر فرش پہ گری۔ اس نے دوسری تصویر سامنے کی۔ (رات کا منظر... انیکسی کے سامنے کھڑے بات کرتے شیرو اور زمر۔)

''معاف کرنا' مگر کہیں یہ تمہاری ڈیئر زمر تو نہیں ہے جو اس وقت شیرو سے اتنے دوستانہ انداز میں بات کر رہی ہے؟ شیرو وہی ہے نا جس نے تم پہ گولی چلائی تھی؟ مگر... زمر اور فارس کو فکر نہیں ہے اس بات کی۔ ویسے بھی نیاز بیگ نامی کرایے کا غنڈا پکڑا جا چکا ہے' اور اس نے تمہارے قتل کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ اب سب تمہیں رو کر چپ بھی ہو گئے ہیں۔ اوہ ہاں' زمر کی جاب چلی گئی' اور آج کل وہ بھی اپنی جاب کے لئے فارس کی طرح مصروف ہے۔''

وہ تصویر بھی بھیک کی طرح سامنے پھینکی۔ اور ایک اور تصویر نکالی۔ (انیکسی کے بیرونی زینے پہ خاموش اور اداس بیٹھی حنین۔)

''تمہاری بہن... بس وہی اکیلی رہ گئی' مگر فکر مت کرو' مجھے اندازہ ہے کہ تمہاری بہن کو مجھ پہ سیکرٹ قسم کا crush ہے' سو... ہم اچھے دوست بن گئے...'' وہ کہہ رہا تھا' اور سعدی کی آنکھوں میں سرخ خراشیں ابھر رہی تھیں' اس نے پورا زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی' مگر... جسم ہلنے سے قاصر تھا۔ کیا مرنا ایسا ہوتا ہے؟

''اب وہ بے چاری بچی مجھے دن رات میسج کرتی ہے' اور تمہیں پتہ ہے' میں اب کیا کروں گا؟ کسی رات جب فارس گھر نہیں ہو گا' تو میں اسے اپنے پاس بلاؤں گا۔ جو بھی بہانہ کروں گا' وہ معصوم بچی مان لے گی' تمہیں پتہ ہے نا' میرا کمرہ اس کے کتنے قریب ہے' سو میں کوشش کروں گا کہ اس event کی بھی تصویریں لوں' مگر... تمہیں برا لگے گا' اس لئے' اگر تم چاہتے ہو کہ میں ایسا نہ کروں' تو آج سے ہم نئی شروعات کریں گے۔ تمہارے گھر والے تمہیں بھول چکے ہیں۔ کوئی ثبوت میں نے نہیں چھوڑا اپنے خلاف۔ اور ہاں' تمہاری بہن نے تو وہ فلیش بھی میرے حوالے کر دی جس میں میری فائلز تھیں۔ سو تم ان لوگوں کو بھول جاؤ' سعدی۔ تمہاری فیملی اب میں ہوں' اور میرا کاروبار اب تم ہو گے۔''

وہ اٹھا اور قدم قدم چلتا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ ''میں نے تمہیں اس لیے بچایا کیونکہ مجھے تم اچھے لگتے ہو، لیکن تم پہ اتنی انویسٹمنٹ میں مفت میں نہیں کر رہا۔ اس لیے آج سے تم میرے لئے کام کرو گے' اور اگر تم نے ایسا نہ کیا' تو تمہاری بہن کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں' ایلچی لی مجھے واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' کہیں کوئی بزر سی بجی تھی۔ سعدی کی مفلوج آنکھوں نے دیکھا' وہ جیب سے سیل فون نکال رہا تھا۔ پھر مسکرایا۔

''نائس ٹائیمنگ! پاکستان سے ہے' اور وہ بھی تمہاری بہن کا۔ میں اس سے بات کرتا ہوں' تب تک تم میری بات پہ غور کرو!'' پھر فون کان سے لگایا اور خوشگوار سے انداز میں بولا۔ ''ہیلو حنین۔ کیسی ہو؟'' اسپیکر آن کر دیا تھا۔ کمرے میں حنین کی آواز گونجی۔

''میں ٹھیک۔ آپ باہر گئے ہوئے ہیں؟''

''ہوں۔ میں انڈیا ہوں' ایک پرانے دوست سے ملنے۔''

مفلوج لیٹے سعدی کا تنفس تیز ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔

''اچھا وہ... مجھے پوچھنا تھا...'' وہ عجلت میں لگ رہی تھی۔ ''آپ نے وہ فلیش کھول لی؟''

''ارے ہاں' وہ خاور نے کھول ہی لی۔ شکریہ' تمہاری وجہ سے میرے اتنے قیمتی ڈاکومنٹس محفوظ رہے۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ ''کون سے ڈاکومنٹس تھے اندر؟''

''میرے آفس کی فائلز تھیں۔''

وہ پھر چپ ہوئی۔ ''آپ مجھے وہ فلیش واپس کر سکتے ہیں؟ وہ بھائی کی چیز تھی' میں اسے بھائی کی یاد کے طور پہ رکھنا چاہتی ہوں۔''

''آہ....'' وہ رکا۔ ''اچھا میں تمہیں پرنٹ شدہ ڈاکومنٹس بھیج دوں گا واپس آ کر۔ یا پھر...'' ذرا رکا۔ ''تم کسی دن آ کر میرے کمرے سے لے جانا۔'' نے کروٹ لئے لڑکے کا چہرہ دیکھا۔ ایک آنسو اس کی ساکت آنکھ سے ٹپک کر تکیے میں جا گرا تھا۔

ہاشم باہر نکل گیا اور پیچھے کمرے میں قبری خاموشی چھا گئی۔

کیا مرنا ایسا ہوتا ہے؟

.....❖❖❖.....

وہ یہیں سے لوٹ جائیں جنہیں سرعزیز ہیں ..... ہم سر پھروں کے ساتھ کوئی سر پھرا چلے

اور ہزاروں میل دور' اسلام آباد کے اس مضافاتی علاقے میں... قصر کی انیکسی کے بیسمنٹ میں کھڑی حنین نے ہاشم کی کال کاٹی تو اس کے چہرے پہ شدید ملال چھایا تھا۔

''تو اب آپ مجھ سے بھی جھوٹ بولنے لگ گئے ہیں' ہاشم؟'' وہ بڑبڑائی۔ ''آپ نے وہ فلیش کھولی ہی نہیں، یا پھینک دی یا کسی کو دے دی، اگر کھولتے تو دیکھ لیتے کہ اس میں میرے دو کورین ڈرامے تھے جو میں نے اسی رات لاک کر کے آپ کے لیے تیار رکھے تھے، کیونکہ میں آپ کو بتانے کی غلطی کر چکی تھی اور اب ناراض نہیں کر سکتی تھی۔ مگر آپ نے کیسے مجھ سے جھوٹ بول دیا!''

سر جھٹکا اور پھر اپنے سامان سے اس نے علیشا کے نیکلیس کے ساتھ رکھی سفید فلیش ڈرائیو نکالی جو سعدی نے اس کو دی تھی۔

''آپ کو تو اس ڈرائیو کا رنگ بھی نہیں پتہ تھا تو یہ آپ کی کیسے ہوئی؟ اتنا جھوٹ؟'' اس کا دل بری طرح دکھا۔ ''محبت ایک طرف، لیکن میں بھائی کی چیز آپ کو نہیں دے سکتی تھی!'' اس نے باکس بند کیا اور فلیش لیے اوپر زینے چڑھنے لگی۔ (آخر دیکھوں تو سہی، اس میں اتنا کیا خاص ہے جو سعدی بھائی اور ہاشم، دونوں اس کو حاصل کرنا چاہتے تھے؟)

کچھ دیر بعد وہ لیپ ٹاپ کھولے لاؤنج میں بیٹھی تھی، فلیش لگا رکھی تھی اور وہ اس پروگرام کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جس کے ذریعے

ان ڈاکومنٹس کو متفل کیا گیا تھا۔تبھی زمر سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔

''میں بیسمنٹ میں جارہی ہوں، حنہ، فارس آئے تو اسے بتا دینا کہ نیچے تہہ خانے میں جو اسٹور روم بنا ہے، اس کا لاک تڑوایا ہے میں نے آج۔'' اطلاع دے کر وہ نیچے چلی گئی۔حنہ نے بے دھیانی سے اس کی بات سنی۔

ذرا دیر بعد ہی فارس گھر میں داخل ہوا تو اسے لیپ ٹاپ پہ کام کرتے دیکھا۔

''تمہارے ہاتھ میں کمپیوٹر؟ خیریت؟'' دروازہ لاک کرتے اس نے ایک اچٹتی نگاہ گھر پہ ڈالی جو رات کی خاموشی میں ڈوبا تھا۔

''جی۔اور پھپھو نیچے آپ کے اسٹور تک گئی ہیں، اس کا لاک تڑوایا تھا آج انہوں نے۔'' وہ الجھی بیٹھی تھی، بے توجہی سے بتایا۔

اور فارس غازی کا دماغ ایک دم گھوم کر رہ گیا۔پھر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

سبک رفتاری سے زینے پھلانگتا نیچے آیا' تو وسیع تہہ خانہ تاریک پڑا تھا، کونے والے کمرے کا دروازہ بند تھا اور وہ اسی دروازے سے کمر ٹکائے' سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔منتظر۔وہ غصے سے سرخ چہرہ لئے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

''کس کی اجازت سے آپ نے اس کمرے کا لاک تڑوایا؟ منع کر کے گیا تھا نا میں کہ.....'' غضبناک ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ غراتے ہوئے قریب آیا، کہ دفعتاً رکا۔

زمر بس ٹھنڈی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اتنا کیوں ڈر گئے ہو؟ میں نے تو حنہ سے مذاق کیا تھا۔''

فارس نے بے اختیار کر دروازے کو دیکھا' وہ لاکڈ تھا۔اس نے گہری سانس لی۔وہ اس کو اکسا رہی تھی۔

''کیا چاہتی ہیں آپ؟''

''پلیز اپنا غصہ مجھ پہ ضائع مت کرنا، کیونکہ نہ میں تم سے ڈرتی ہوں، اور نہ میں کبھی اس کمرے کا لاک تڑواؤں گی' بلکہ تم مجھے خود یہ کمرہ کھول کر دکھاؤ گے۔'' ٹھنڈے انداز میں وہ کہہ رہی تھی۔''اور تم مجھے خود بتاؤ گے کہ تم اس میں کیا رکھتے ہو' تم سارا دن کیا کرتے ہو' تم چار سال سے کیا کرتے رہے ہو۔تم ہمیشہ کہیں جا رہے ہوتے ہو، کہیں سے آ رہے ہوتے ہو۔تم سے شادی سے پہلے میں نے اس ریسٹورانٹ میں آ کر تم سے صرف سچ بولا تھا' دشمنی اپنی جگہ' دیانتداری اپنی جگہ' سو اب سچ بولنے کی باری تمہاری ہے۔'' وہ کچھ دیر لب بھینچے' برہمی سے اسے دیکھتا رہا۔

''ڈرتا نہیں ہوں آپ سے۔صرف اس لیے اپنی کچھ چیزیں الگ رکھتا ہوں کیونکہ اگر آپ دیکھیں گی تو میرے ساتھ کام نہیں کریں گی۔''

زمر دو قدم آگے آئی، تیکھی نظریں اس کی آنکھوں پہ گاڑھیں۔''فارس، جیسے ہم نے نیاز بیگ کو گھیرا، ویسے ہی سرمد شاہ کو بھی گھیر لیں گے، اور آہستہ آہستہ سعدی کے ہر ایک مجرم کو، مجھے کم از کم سعدی کے معاملے میں تم پہ اعتبار ہے، لیکن میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ فارس طہیر غازی کون ہے؟ کم از کم مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کس کے ساتھ کام کر رہی ہوں!''

فارس نے گہری سانس لی، اور پھر جیب سے چابیوں کا گچھا نکالتا اس کمرے کے دروازے تک آیا۔ایک چابی لاک میں گھمائی، اور پھر...دروازہ کھول دیا۔

.....❖❖❖.....

''مَن الماس را بہ ملکہ دادم!''

(حصہ دوم)

ابھی تو دل میں ہے جو کچھ بیان کرنا ہے ..... یہ بعد میں سہی کس بات سے مکرنا ہے

دروازہ کھلا تو تاریک سا کمرہ سامنے آیا۔

فارس نے سوئچ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہوئیں اور... چوکھٹ میں کھڑی زمر کی آنکھوں میں تحیر اتر آیا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی اور گردن گھما کر دیکھا۔ گو کہ اس نے کسی ایسے ہی منظر کی توقع کی تھی' مگر اس کا حجم اتنا زیادہ ہوگا' یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔

اس کمرے میں کاغذ تھے۔ بے تحاشہ کاغذ۔ تین دیواریں کاغذوں سے بھری ہوئی تھیں۔ نوٹس' تصاویر' اخبار کے تراشے اوپر پن چپکے تھے۔ اسٹڈی ٹیبل پہ لیمپ کے ساتھ کچھ فائلز دھری تھیں' اور کچھ جدید آلات۔ دو مزید لیپ ٹاپس۔ زمر نے چہرہ فارس کی طرف موڑا تو وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''جو میں کرتا رہا ہوں۔ پچھلے چار سال سے۔''

زمر کی نظریں پھر سے کاغذوں سے ڈھکی دیوار تک گئیں۔ وہاں بہت سے لوگوں کی تصویریں لگی تھیں۔ کچھ کو تو وہ پہچانتی تھی۔ جسلس سکندر' (فارس کے کیس کا جج) اے ایس پی سرمد شاہ' وارث غازی کا باس الیاس فاطمی' ڈاکٹر توقیر بخاری (جنہوں نے سعدی کا آپریشن کیا تھا) کی بیوی ڈاکٹر ایمن بخاری... اور بھی کچھ لوگ جن کو وہ نہیں پہچانتی تھی۔ وہ ڈاکٹر ایمن کی تصویر پہ نظریں مرکوز کیے آگے آئی۔

''تو تم واقعی ڈاکٹر توقیر کی بیوی کو جانتے تھے۔ وہ تمہاری....'' اس نے تصویر کے اوپر نیچے لگے کاغذوں پہ نظر دوڑائی۔

''وہ تمہاری سائیکاٹرسٹ تھی!''

فارس خاموش رہا۔

''اس نے کورٹ میں بیان دیا تھا کہ تم نے اس کے سامنے اعترافِ جرم کیا ہے... اور... یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں بیل بھجوایا' اور جیل سے نکلنے نہیں دیا۔'' وہ اوپر سے نیچے تک ان دیواروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''تم... تم واقعی چار سال سے فارغ نہیں بیٹھے تھے۔'' زمر کہتے کہتے چونکی۔ ''تم انتقام پلان کر رہے تھے؟''

فارس طہیر غازی نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب وہ چوکھٹ سے ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔

''اور یہ لوگ...'' وہ ایک دوسری دیوار پہ چسپاں کاغذ دیکھنے لگی۔ ''یہ کون ہیں؟''

''جیل کے ساتھی!''

زمر نے اچنبھے سے ان تصاویر کو دیکھا۔ ''یہ وہ کرمنلز ہیں جن کو جیل میں جب کسی سے لڑنا ہوتا یا کام نکلوانا ہوتا' یہ تمہیں آگے لگا دیتے 'یہ تمہارے غصے اور جارحیت کو استعمال کرتے تھے' مگر یہ لوگ۔ ان کا تمہارے اس...اس انتقام سے کیا تعلق؟''

''آپ کو کس نے کہا کہ یہ مجھے استعمال کرتے تھے؟'' وہ تلخی سے مسکرایا تو زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''زمر بی بی کسی نے ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ تمہاری کمزوری تمہارا غصہ ہے۔ سو اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنالو۔ میں نے اتنے سال یہی کیا ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے' اتنا بے وقوف ہوں میں کہ بنا سوچے سمجھے پرائے پھڈوں میں کود پڑوں گا؟''

وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔ ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

''انہوں نے تمہیں استعمال نہیں کیا' بلکہ تم نے...تم نے ان کو استعمال کیا۔۔اوہ...'' لب بے اختیار سکڑے۔ اسے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔

''میں نے جیل میں چار سال ان کرمنلز' اسمگلرز' کرایے کے قاتلوں' اور ڈرگ ڈیلرز کے ساتھ تعلقات بنائے ہیں' ان کے مسئلے سلجھائے' ان پہ احسان کیے' ان کی کمزوریاں بھی جانیں' اور ان کی طاقت بھی' تاکہ وقت پڑنے پہ ان دونوں کو استعمال کر سکوں۔ میں ایک بڑے تالاب میں تھا جس میں گندی مچھلیاں تھیں۔ مجھے باہر کے مگرمچھوں سے لڑنے کے لیے ان کی مدد چاہیے تھی۔'' چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑے فارس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''جب جیل گیا تھا تو اکیلا تھا' جب باہر آیا ہوں تو بہت سے کانیکٹس ہیں میرے پاس۔''

''اور وہ سب تمہیں تمہارے انتقام میں مدد دیں گے؟''

''بالکل!'' اس نے شانے اچکائے۔

زمر پھر سے آگے پیچھے گھوم کر اس کمرے کو دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں تحیر کے ساتھ الجھن تھی۔

''مگر ان لوگوں نے.....'' ڈاکٹر ایمن، اے ایس پی وغیرہ کی تصاویر کو دیکھتے بولی..... ''اگر تمہیں جیل میں ڈالا تھا' تو تمہارے اپنے جرائم کی وجہ سے اور....''

''او کے مسز زمر! میں آخری دفعہ آپ کو یہ بات بتانے جا رہا ہوں۔'' ہاتھ اٹھا کر اسے روکا' اور بہت تحمل سے بولا۔ ''اور اس کے بعد آپ کبھی میری منت بھی کریں تو میں نہیں دہراؤں گا' اس لئے ابھی دھیان سے سنیں۔'' سنجیدگی سے چبا چبا کر بولا۔ ''میں نے وہ قتل نہیں کیے تھے' نہ آپ پہ گولی چلائی تھی'' ذرا ٹھہرا۔ ''مگر مجھے پتہ ہے کہ آپ یقین نہیں کریں گی' ٹھیک ہے۔ سو سنیں' مجھ سے زندگی میں ایک ہی بڑی غلطی ہوئی ہے' وہ یہ کہ وارث کی چیزیں جب میری کار سے برآمد ہوئیں تو مجھے احتیاط کرنی چاہیے تھی' مگر میں اوور کونفیڈینٹ تھا۔ مجھے لگا مجھے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ اور اسی اعتماد نے مجھے جیل پہنچا دیا۔'' تلخی مگر تحمل سے وہ کہہ رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''آپ مجھے قاتل سمجھتی ہیں' ٹھیک ہے' بالفرض میں نے وہ قتل کیے بھی تھے' تب بھی' کیا مجھے Fair Trial کا حق نہیں تھا؟''

''تھا!'' زمر کا سر خود بخود اثبات میں ہلا تھا۔

''کیا اس بدترین تشدد کی اجازت تھی جو مجھ پہ کیا گیا؟ کیا اس سائیکاٹریسٹ کو حق تھا کہ میرے پرائیوٹ سیشنز کورٹ میں بیان کرے؟''

اس کی گردن نفی میں ہلی۔ ''نہیں۔''

''کیا اس جج کو حق تھا کہ وہ مجھے نو' نو دس دس ماہ بعد کی تاریخیں دیا کرے؟ کیا پراسیکیوٹر بصیرت کا فرض نہیں تھا کہ وہ کیس کی پوری تفتیش کرے؟''

زمر نے اب کے بس گردن ہلائی۔

''تو زمر بی بی... میرا بھائی مرا تھا' بیوی مری تھی' میرا خاندان تباہ ہو گیا تھا' اور مجھے فیئر ٹرائل کا حق بھی نہیں دیا گیا۔ سو....'' دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔ آنکھوں میں تپش سی تھی جو زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ''جیل جانے کے چار ہفتے بعد میں نے یہ سب پلان کرنا شروع کیا تھا۔ اور میں اپنے انتقام کو ضرور پورا کروں گا۔ میری زندگی کے ان چار سالوں کا حساب ان لوگوں کو دینا ہوگا۔''

پراسرار اسٹور روم میں خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر بعد وہ بول پائی۔ ''تم ان لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو؟''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''میں قاتل نہیں ہوں' اور قتل کرنے سے یہ لوگ ایک ہی دفعہ مر جائیں گے' اس لئے موت سے نہیں' یہ اپنی زندگیوں سے اپنے کیے کا حساب چکائیں گے۔''

زمر نے ایک گہری سانس لی اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ وہ گہری سوچ میں دکھائی دیتی تھی۔

''تمہیں جیل سے نکلے ڈھائی ماہ سے اوپر ہو چکے ہیں' مگر یہ لوگ تو آزاد ہیں۔ میرا مطلب ہے' تم نے ابھی تک کچھ کیا کیوں نہیں؟ تم کس چیز کا انتظار کر رہے تھے؟'' اس نے دوسری کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔

''دو چیزیں۔'' اب کے قدرے نرمی سے بتانے لگا۔ ''پہلی' مجھے فنانشلی اسٹرانگ ہونا تھا' پیسہ چاہیے تھا' امی نے ایک فلیٹ چھوڑا تھا میرے نام' لاہور میں۔ اس کو بیچنا تھا' اسی میں لگا تھا۔ اور دوسرا' مجھے ابھی یہ جاننا تھا کہ ان سب لوگوں کو چلانے والا کون ہے؟ کون ان کو حکم دے رہا تھا؟ آپ بے شک یہی سمجھ لیں کہ میں نے وہ قتل کیے تھے' تو پھر کون ہے میرا دشمن جس نے مجھے جیل بھجوایا' اور باہر نہیں نکلنے دیا؟ اتنا بے وقوف تو نہیں ہوں نا میں کہ ایسے ثبوت اپنی کار میں چھوڑوں گا!'' زمر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''کسی نے تو مجھے ایسے پھنسایا تھا نا کہ میں باہر نہ نکل سکوں؟'' زمر نے پھر ہاں میں گردن ہلائی۔ اسے پہلی دفعہ اپنا آپ فارس کی ٹیچر جیسا نہیں' اس کی اسٹوڈنٹ جیسا لگ رہا تھا۔

''پھر.... کیا تمہیں معلوم ہو سکا؟''

فارس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو یہ تمام لوگ جو مجھے جیل برد کرنے میں ملوث تھے' وہی لوگ سعدی کی گمشدگی سے جڑے ہیں۔ جب وہ ہسپتال لے جایا گیا' تو ڈاکٹر بخاری کی اس دن ڈیوٹی نہیں تھی' مگر ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اس ہسپتال میں ان کے کام کا بندہ کون ہے' اس کی بیوی کو پہلے استعمال کر چکے تھے' سو انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو ہسپتال بھیجا' وہ آیا' اور اپنا کام دکھا گیا۔ اگر مجھے اس وقت معلوم ہوتا کہ یہ ڈاکٹر ایمن کا شوہر ہے' تو میں....'' بے بسی اور غصے سے اس نے کچھ سخت کہنا چاہا' مگر سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔

''کیا سعدی کو یہ سب معلوم تھا؟''

''نہیں۔'' فارس گردن موڑ کر ان کاغذوں کو دیکھتے بولا۔ ''وہ ایک دن صبح کے وقت آیا' تو میں نے اس کمرے کو لاک کر دیا اور خود باہر والی ٹیبل کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ وہاں چند کاغذ لگا رکھے تھے.....'' زمر نے مڑ کر دیکھا' وہاں چند کاغذ اور الیاس فاطمی کی تصویر اب بھی لگی تھی۔ ''وہ یہی سمجھا کہ میں صرف اس ایک ماسٹر مائنڈ کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں' اور اسے مارنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کی تصحیح نہیں کی۔ میں اسے اس سب سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کو کچھ معلوم تھا شاید جسے وہ چھپا رہا تھا' کیونکہ وہ سعدی تھا' آپ کی طرح تھا!'' زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''آپ دونوں ایک ہی جیسے ہیں' اسٹریٹ فارورڈ۔ مجھے پتہ ہے کہ اس نے مجرم تک پہنچ کر کیا کیا ہوگا!'' سر جھٹکا۔ ''ان لوگوں کو کنفرنٹ کیا ہوگا' دو چار نصیحتیں جھاڑ آیا ہوگا' اور ارادہ ہوگا کہ سب کو اپنا کارنامہ بتا کر کہے' فلاں فلاں ملوث ہے اس میں' اس کے خلاف مقدمہ درج کراتے ہیں اور یوں ہمیں انصاف مل جائے گا۔'' تلخی سے پھر سر جھٹکا۔ ''مجھے پورا یقین ہے اس نے ضرور ان لوگوں کو احساس دلایا ہوگا کہ وہ ان کے راز جانتا ہے' اور انہوں نے اسے خاموش کرا دیا۔ مگر میں....'' زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر سختی سے بولا۔ ''میں سعدی یوسف نہیں ہوں۔

میں فارس غازی ہوں۔ میں لمبی لمبی باتیں نہیں کرتا' اور جو میں ان لوگوں کا حشر کروں گا' وہ دنیا دیکھے گی۔''

''سو تم اسی لئے ڈاکٹر والا معاملہ ڈیلے کر رہے تھے کیونکہ تم میرے پلان کے مطابق ان کو صرف اکیلا اور ایکسپوز ہی نہیں کرنا چاہتے' بلکہ.... تم ان کو تباہ بھی کرنا چاہتے ہو۔''

''بالکل۔''

''اور تمہیں معلوم تھا کہ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی' اس لئے تم نے یہ سب مجھ سے چھپایا۔''

''ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ مجھے کسی چیز سے روک سکیں' مگر میں آپ کی بلاوجہ کی بحث نہیں سن سکتا تھا۔'' ذرا سے شانے اچکائے۔

''اسی لئے پہلے تم نے مجھے اعتماد میں لیا' اور پھر آہستہ آہستہ سارا کنٹرول میرے ہاتھ سے لینے لگے۔ اور جب مجھے شک ہوا' تم نے مجھے غصے میں ٹال دیا' ایکچوئلی فارس....'' وہ سر ہلاتے ہوئے سمجھنے والے انداز میں کہنے لگی۔ ''میں نے تمہیں کبھی حنہ' یا ندرت بھابھی' یا سعدی پہ غصہ کرتے نہیں دیکھا' کبھی ابا سے بھی غصے سے بات نہیں کی' صداقت کو بھی نہیں جھاڑا' سو میں تمہیں بتاؤں مجھے کیا لگتا ہے؟'' اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مجھے لگتا ہے' تم اپنا غصہ کنٹرول کرنا جانتے ہو' مگر تم اسے استعمال کرتے ہو۔ جیسے تم اسے جیل میں استعمال کرتے تھے۔ تم اتنے غصہ ور ہو نہیں جتنا خود کو ظاہر کرتے ہو' تاکہ لوگ تمہیں کمزور اور جذباتی سمجھیں اور تم اپنا کام کر جاؤ۔ اور تم نے دیکھا' وہ اے ایس پی تم سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہے جتنا وہ مجھ سے جھجکتا ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تو آپ اتنے دن سے مجھے اسٹڈی کر رہی تھیں؟''

''واٹ ایور!'' اس نے شانے اچکائے۔ پھر اٹھ کر ایک کاغذوں سے بھری دیوار کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تو اب تم چاہتے ہو کہ ہم ان لوگوں کو صرف استعمال ہی نہ کریں' بلکہ ان کو سزا بھی دیں۔''

''میں یہ کام اکیلے کر سکتا ہوں' آپ نہ شامل ہوں تو آپ کی مرضی!''

''ہاں' تم بہت کچھ کر سکتے ہو' مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر آپ میرا ساتھ دیں گی؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر دیوار کو دیکھتی رہی۔

''اگر تم سعدی کو واپس لے آؤ تو میں سب کچھ کرنے پہ تیار ہوں۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔

''جب جیل میں تھا میں' اور یہ سب لوگ میرے خلاف تھے' مجھے اذیت دے رہے تھے تو صرف ایک شخص تھا جس نے میری بات پہ اعتبار کیا تھا' اور جس نے مجھے باہر نکالا تھا اس قید سے۔ وہ سعدی تھا۔ اور میں اسے واپس لے آؤں گا۔ لیکن اس کے لئے' آپ کو میرے طریقے سے کام کرنا ہوگا' سوز مر بی بی...'' وہ دو قدم چل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور جب بولا تو آنکھوں میں مضبوط عزم تھا۔ ''آج سے سارے فیصلے میں کروں گا۔ اور آپ مجھ سے زیادہ بحث نہیں کریں گی۔'' چند لمحے زمر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''ٹھیک ہے' مگر ایک آخری سوال۔'' اور پھر وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''تمہارے ان سارے مجرموں میں میری تصویر کدھر لگی ہے؟ آخر تمہیں جیل تو میں نے بھجوایا تھا نا۔''

فارس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔

''میرا نمبر ان میں کون سا ہے؟ کب آئے گی میری باری؟'' وہ چند ثانیے کچھ کہہ نہیں پایا۔

''جیسا کہ آپ نے خود کہا تھا' جب سعدی مل جائے گا' تب آپ مجھ سے اپنا حساب لیں گی' سو میں بھی تب ہی آپ سے حساب لوں گا۔'' اور اس نے صرف اپنی انا کے باعث وہ کہا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اور وہ اس بات سے بے خبر' کہ یہ وہ عورت ہے جسے وہ ایک

ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہے' سر ہلا کر گہری سانس لیتے بولی۔

''ٹھیک ہے۔ میں تب تک تمہارے ساتھ ہوں جب تک سعدی نہیں مل جاتا۔ مگر آج سے' میں ہر جگہ تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''آپ کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟''

''نہیں' میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کیسے کام کرتے ہو' کل کو جب تم مجھ سے اپنا حساب لو' تو کم از کم مجھے تمہارے طریقوں کا علم تو ہونا۔'' قطعیت سے کہتی وہ مڑ گئی۔ فارس خاموشی سے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھتا رہا۔ تہہ خانے میں ایکدم اداسی چھا گئی تھی۔

.....❖❖❖.....

اب جو چاہیں بھی تو اس طرح نہیں مل سکتے ..... پیڑ اکھڑے تو کہاں بارِ دگر لگتا ہے

ان سے سینکڑوں، ہزاروں میل دور' اس کمرے میں مقید سعدی یوسف' بیڈ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تین تصویریں تھیں جب کو وہ بار بار اوپر نیچے کر کے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم اپنا ز ہرا گل کر جا چکا تھا، اور سعدی کا سن کرتا جسم بھی آہستہ آہستہ نارمل ہو چکا تھا۔

(ڈاکٹر سارہ نے کسی کو نہیں بتایا) وہ یاسیت سے سوچ رہا تھا۔ (اس نے اپنا پین ایک غلط شخص کے ہاتھ میں دے دیا' اسے ہمیشہ سے معلوم تھا وہ کتنی بزدل اور ڈری سہمی ہے' مگر یہ سب بنا سوچے سمجھے ہوا۔ اس کی زندگی کی دوسری بڑی غلطی زمر اور حنہ سے جھوٹ بولنا تھی کہ وہ کسی سائنسدان سے ملنے جا رہا ہے اور پہلی بڑی غلطی.....سارہ پہ اعتبار کرنا تھی۔)

مسلسل تصویریں شفل کرتے زمر اور نوشیرواں کی تصویر اوپر لایا۔ آنکھوں میں سرخی سی دوڑنے لگی۔ حنین کی تصویر اوپر آئی تو دماغ پھٹنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہرے سانس لئے' خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

تبھی دروازہ کھول کر میری اینجیو اندر داخل ہوئی۔ اس کے قریب آ کر سپاٹ سا بولی۔ ''مجھے ذرا کام ہے' مایا ابھی آتی ہو گی' تمہاری پٹی دیکھے گی۔ زیادہ ہوشیاری مت دکھانا۔ مایا اچھی ہے' بہت اچھی' مگر اسے استعمال کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

وہ سر جھکائے تصویریں الٹ پلٹ کرتا رہا۔ اس کی بات گویا اَن سنی کی۔ وہ چلی گئی تو مایا اندر آئی۔ نرس بھی ساتھ ہی آیا' مگر مایا نے ایک دم اسے مخاطب کیا۔

''وہ...میرا بلیک بیگ داخلی دروازے کے قریب رہ گیا ہے' ذرا لیتے آؤ۔'' وہ سر ہلا کر باہر گیا' تو مایا تیزی سے اس کی طرف آئی۔ بے چینی سے اس کو دیکھا۔

''سنو' میری اینجیو گھر پہ نہیں ہے' اور میں ابھی سیدھی بازار جاؤں گی' کاردار صاحب کا آدمی بازار کے اندر میرے ساتھ نہیں جائے گا' تم مجھے اپنی فیملی کا کوئی نمبر دو' میں ان کو کال کر کے اطلاع کر دوں گی کہ تم کہاں ہو۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔

سعدی نے گویا نہیں سنا' بس انہی تصویروں کو دیکھتا رہا۔

''تم سن رہے ہو؟'' وہ جھنجھلائی اور اس کا کندھا ہلایا۔ ''سعدی' مجھے کوئی کانٹیکٹ نمبر دو جہاں میں فون کر سکوں۔ تاکہ تم ان کے پاس واپس جا سکو۔''

سعدی نے اس کے یوں ہلانے پہ آنکھیں اٹھا کر اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میری کوئی فیملی نہیں ہے۔ نہ مجھے کسی کے پاس واپس جانا ہے!''

مایا دھک سے رہ گئی۔ پھر اس کی شفاف آنکھوں میں بے پناہ دکھ ابھرا۔

''ایسے مت کہو۔ تمہاری فیملی تمہاری منتظر ہو گی۔''

''میں نے کہا نا' میری کوئی فیملی نہیں ہے۔'' اس نے وہ تصویریں اکٹھی کیں' اور شڑپ سے پھاڑیں' پھر اکٹھی کر کے دوبارہ پھاڑیں

اور دروازے کی طرف اچھال دیں۔ تبھی نرس واپس اندر داخل ہوا۔ سارے پرزے اس کے قدموں میں گر گئے۔
مایا اب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی' مگر آنکھوں میں بے پناہ تکلیف اور کرب لیے وہ نرس کو ہدایات دینے لگی۔

.....❖❖❖.....

اجنبی لگنے لگے خود تمہیں اپنا ہی وجود ..... اپنے دن رات کو اتنا بھی اکیلا نہ کرو

اس رات انیکسی میں خاموشی چھائی تھی۔ سیم اور ابا اپنے کمرے میں سونے جا چکے تھے۔ فارس گھر نہیں تھا۔ اور ندرت کو آج ذکیہ خالہ بہت اصرار سے اپنی طرف لے گئی تھیں۔ ایسے میں حنین اکیلی لاؤنج کے صوفے پہ لیٹی تھی۔ ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا' مگر وہ چھت کو تکتی سوچے جا رہی تھی۔ ہاشم کے جھوٹ کے بارے میں۔ فلیش کے بارے میں جسے وہ کھول نہیں سکی تھی۔ ہاشم سے بات نہ کرنے کے بارے میں۔۔

تبھی میز پہ رکھا فون بجنے لگا۔ حنین نے سست روی سے گردن موڑی۔ ہاشم کی کال آ رہی تھی۔ اسی پل دروازہ کھلا اور اس نے فارس کو اندر آتے دیکھا۔ وہ موبائل اٹھانے کے لئے ہاتھ بھی نہ بڑھا سکی۔

''کس کا فون ہے؟'' وہ اس کے سر پہ پہنچ گیا تھا۔ وہ بس یک ٹک گردن اٹھائے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''حنین میں پوچھ رہا ہوں' اس وقت کس کا فون آ رہا ہے؟'' وہ غصے سے پوچھ رہا تھا اور حنین کا پورا وجود سن تھا.... دل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا' جسم سے جان نکل رہی تھی.... فارس نے فون اٹھا لیا تھا.... اب وہ سب جان جائے گا۔

کرنٹ کھا کر جیسے اس کی آنکھ کھلی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ پورا جسم پسینے میں ڈوبا تھا۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ وہ اکیلی تھی۔ ٹی وی ہنوز چل رہا تھا۔ موبائل ہاتھ میں تھا۔ وہ کب سوئی' پتہ ہی نہیں چلا۔ پہلے اس نے موبائل دیکھا۔ کوئی کال نہیں تھی۔ اوہ وہ خواب تھا!

آہٹ پہ چونکی۔ فارس دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ اسی طرح متوحش سی بیٹھی تھی۔ اس نے لاک لگایا، اور قدم قدم چلتا قریب آیا۔ حنہ کو دیکھ کر آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔

''ادھر کیوں سو رہی ہو؟''

''وہ امی... امی ذکیہ نانی کی طرف گئی ہیں نا' تو.... میں... اکیلی تھی۔''

''ہاں انہوں نے مجھے بتایا تھا' تو تم اکیلی کیوں ہو؟ سیم کو اپنے ساتھ سلانا تھا۔'' ایک نظر ابا کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ ''اچھا اب ادھر مت سوؤ۔ صبح ملازم لڑکا آتا ہے' اس کے لئے دروازہ کھولنا ہوتا ہے۔ شاباش' اٹھو' اوپر ہمارے کمرے میں آ جاؤ۔'' ساتھ ہی اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا' مگر آنکھوں میں حنہ کے لئے بے حد نرمی تھی۔

حنین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ ایک دم اٹھی اور اس کے بازو کے گرد ہاتھ لپیٹ کر اس کے کندھے سے ماتھا ٹکا دیا۔

''ماموں' میں آپ کو کبھی نہیں کھونا چاہتی۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا۔ میں آپ کو کھونے والی تھی۔'' آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ ''میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ بہت زیادہ۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''نہیں حنہ' میں تمہیں اس وقت کچھ کھلانے باہر نہیں لے جا سکتا۔''

روتے روتے حنہ نے ناراضی سے چہرہ اٹھایا۔ ''دنیا میں کھانے سے بڑے مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔''

''مثلاً؟'' اس نے غور سے حنین کے چہرے کو دیکھا۔ بالوں کو پونی میں باندھے' اس کی آنکھیں گیلی نظر آ رہی تھیں۔ اس سوال پہ مزید بھر آئیں۔

''میں بہت بری ہوں۔'' گلٹ بہت شدید تھا۔

فارس نے ابرو اٹھائی۔ ''شکل میں؟''

حنین ہلکا سا ہنس دی۔ اس کا بازو چھوڑا۔ آنسو رگڑے۔ ''آپ کے ساتھ ایموشنل ہونے کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''چلو اب اپنا ڈرامہ ختم کرو اور آؤ'' وہ مسکرا دی۔ دل ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو حنہ نے سوچا، بس اب وہ ہاشم کو یوں چھپ کر ٹیکسٹ نہیں کرے گی۔ بس ختم یہ سلسلہ۔

دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو زردبتی جل رہی تھی' اور زمر آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ فارس کی نگاہیں اس کے پیر پہ جا رکیں' جس کا انگوٹھا ہنوز پٹی میں مقید تھا۔

''زمر!'' اس نے پکارا تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

''حنہ آپ کے ساتھ سوئے گی' میں آپا والے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' اطلاع دیتے ہوئے وہ اپنی چیزیں اٹھا رہا تھا۔ زمر اٹھ گئی۔

''ارے تم اکیلی کیوں تھیں؟ سیم کو بولا تھا میں نے.... خیر آ جاؤ، اب سو جاؤ۔'' وہ نرمی سے کہتی اٹھی اور اس کے لیے لحاف نکالنے لگی۔

حنین چپ چاپ آ کر زمر کے دوسری طرف لیٹ گئی۔ موبائل پہ سحری کا الارم لگا کر اپنے اور زمر کے تکیے کے درمیان رکھ دیا۔ (زمر سے کوئی بات نہیں کی۔) اور ماتھے پہ بازو رکھ لیا۔ موبائل کی لائٹ جل رہی تھی۔ روشنی بجھنے کا وقت دو منٹ تھا۔ ڈیڑھ منٹ بعد حنہ نے کروٹ بدل لی۔ تبھی موبائل تھرتھرایا۔ زمر چونکی۔ موبائل ٹیڑھا پڑا تھا۔ اوپری بار میں نئے میسج کی پہلی سطر نظر آ رہی تھی۔

''ہاشم کاردار: کیا میں تمہیں کال کر لوں؟''

حنہ نے کروٹ لی، زمر نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ اسے آہٹ سنائی دی۔ پھر فون آف ہونے کی ٹون گونجی۔

پھر وہ سو گئی، مگر زمر یوسف کی نیند اڑ چکی تھی۔ (ہاشم نے ایسا میسج حنہ کو کیوں کیا؟)

اگلی شام وہ کمرے میں بیٹھی کیس اسٹڈی کر رہی تھی تو دروازہ دستک کے بعد کھلا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سارہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ آنکھوں میں اداسی' لبوں پہ نرم مسکراہٹ' اور بال نفیس سے فرنچ ناٹ میں بندھے تھے۔ وہ اور ذکیہ خالہ، ندرت کو شاپنگ کے لیے پک کرنے آئی تھیں۔ یہ بھی ندرت کا اصرار تھا۔ عید کی تیاری کرنی تھی۔ سعدی کے کپڑے بھی لینے تھے۔ زمر کے لیے کل ہی لے آئی تھیں۔ (ڈسٹریکشن۔)

''آیئے سارہ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سارہ اس کی فائلز کو دیکھتے قریب آ کر بیٹھی۔ وہ ان دو ماہ میں دوسری دفعہ آ رہی تھی۔ پہلے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں۔ پھر وہی ذکر آیا۔

''سعدی کا کچھ پتہ چلا؟'' (مٹھی پہ پسینہ آیا)

''نہیں' مگر پتہ چل جائے گا۔''

''آپ کو اتنا یقین کیسے ہے کہ وہ زندہ ہوگا؟'' یہی بات سارہ کے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ زمر آزردگی سے مسکرائی۔

''کیونکہ ہم زندہ ہیں۔''

سارہ کے دل کو دھکا سا لگا۔ بدقت چند باتیں کر پائی۔

''کیا کوئی گواہ سامنے نہیں آیا؟ کسی نے کچھ تو دیکھا ہوگا؟'' بظاہر سرسری سا پوچھا۔

زمر نے گہری سانس بھری۔ ''نہیں' کوئی سامنے نہیں آیا۔ گواہ عموماً سامنے کم آتے ہیں۔ سب کی اپنی فیملیز ہوتی ہیں۔ ویلکم ٹو پاکستان!''

''تو کیا گورنمنٹ ان کو witness پروٹیکشن نہیں دے سکتی؟ ان کی فیملیز کی حفاظت نہیں کر سکتی؟''

''سارہ ہمارا سسٹم بہت زبوں حال ہے۔ ہم گواہ چھپا دیں' تب بھی لوگ ان کا پتہ نکال لیتے ہیں۔ خیر!'' اس نے سر جھٹکا۔ ''ہر کوئی اتنا بہادر نہیں ہوتا۔''

سارہ کے لیے مزید بیٹھنا دوبھر تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اس کا مطلب ہے گواہوں کو اپنی حفاظت خود کرنی ہوتی ہے! خیر! میں چلتی ہوں!'' زمر نے مسکرا کر الوداع کہا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔

.....❖❖❖.....

ہم خاک نشین، تم سخن آراءِ سرِ بام ..... پاس آ کے ملو، دور سے کیا بات کرو ہو!

رمضان اسی طرح خاموش سا گزر گیا اور عید کی شام قصر اور اس کے سبزہ زار پہ اتری تو بے پناہ روشنیاں لئے ہوئے تھی۔ بے فکر' خوبصورت اور خوش باش لوگ ٹہل رہے تھے۔ ویٹرز ٹرے اٹھائے' مشروبات سرو کرتے نظر آ رہے تھے۔ ایسے میں سبزہ زار کے وسط میں ہاشم' وہ ان شلوار قمیص میں ملبوس' گلاس تھامے' ہنستا ہوا مہمانوں سے باتیں کرتا نظر آ رہا تھا۔ جواہرات بھی قریب کھڑی تھی۔ سبز گاؤن میں مسکراتی ہوئی کانوں میں زمرد اور ہیرے جڑے آویزے پہنے۔ کاردارز کی عید کی پارٹی اتنی ہی جگمگاتی ہوئی ہوتی تھی۔

ان سے دور ہٹو تو سبزہ زار کے بالکل کنارے پہ ایک الگ تھلگ میز پہ Yousufs کا ٹیگ لگا تھا۔ وہاں سیم اور حنین کھڑے مدھم آواز میں بات کر رہے تھے۔ ندرت جو ساتھ بیٹھی تھیں، ابا سے ہلکی پھلکی بات کرتیں' پھر خاموش ہو جاتیں۔ سعدی کی باتیں۔ سعدی کے نہ ہونے کی اداسی۔ امی نے سیم کے آف وائٹ کرتے جیسا بڑا سا ئز سعدی کے لئے بھی لیا تھا۔ سعدی کی یاد، سعدی کی محبت سے بڑھ گئی تھی۔

سیم بددل لگ رہا تھا۔ بددل تو حنہ بھی تھی۔ لمبی نیلی قمیص میں ملبوس، کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے ہوئے تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال ترچھے ابرو سے نیچے گرتے تھے۔ (ماموں والے خواب کے بعد اس نے ہاشم سے بات نہیں کی، نہ ہاشم نے پھر ٹیکسٹ کیا)۔ حنہ کی نظریں بھٹکتی ہوئیں ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ وہ دور تھا' ایفل ٹاور کی طرح۔ اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ ہونہہ، اس نے منہ پھیر لیا۔

قریب میں زمر کھڑی فارس سے بات کرتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے امی کی لائی سرخ ساڑھی پہن رکھی تھی جس کے آستین کہنیوں سے ذرا نیچے تک آتے تھے۔ بال جوڑے میں تھے' اور صرف دو گھنگریالی لٹیں گالوں پہ گرتیں۔

''کیا تم پارٹی میں نہیں شامل ہو گے؟'' خفگی سے فارس سے پوچھا جو ابھی باہر سے آیا تھا اور سیدھا اندر جا رہا تھا۔ جینز پہ سفید کرتا۔ بالوں میں پشاوری چپل۔ منہ میں کچھ مسلسل چباتا ہوا۔ بے نیازی سے ابرو اچکائے۔ ''کاردارز کی پارٹیز کی عادت نہیں مجھے۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔''

وہ گویا کھول گئی۔

''ہم انجوائے کرنے نہیں آئے۔ میں اس لیے تیار ہوئی ہوں تاکہ بھابھی کو یہ نہ لگے کہ میں نے وہ باتیں نہیں بھلائیں۔ اگر تم نہ آئے تو ان کو یہی لگے گا۔ کیوں میری فیملی کو میرے خلاف کرنا چاہتے ہو؟''

''اوکے، یہیں ہوں میں۔'' فارس نے تحمل سے اس کی بات سنی' اور چند لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں دیکھا جن میں برہمی کی (لوئی بیک وقت اتنا خوبصورت اور اتنا سنگدل کیسے ہو سکتا ہے؟) پھر رخ پھیر لیا۔ وہ حنہ کی طرف آ گئی۔

''سو یہ یو ایس بی کا کیا قصہ ہے؟ جو اس دن تم نے ہاشم کو دی، وہ سعدی نے تمہیں نہیں دی تھی؟'' کچھ دن سے حنہ کو لیپ ٹاپ سے الرجی ہو گئی تھی۔ زمر نے صبح جب پوچھا تھا تو اس کے جواب سے نکلا نتیجہ اب سوالیہ انداز میں دہرایا، تو حنین نے بس سر ہلایا۔

''جی۔ میں بھائی کی چیز ان کو نہیں دے سکتی تھی۔ نہ آپ کو دوں گی۔''

''اوکے مگر جب وہ کھل جائے تو بتانا۔'' اور دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ البتہ زمر محسوس کر رہی تھی حنہ کی بار بار ہاشم کی طرف

اٹھتی نظریں۔ کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

دور کھڑے ہاشم نے فارس کو دیکھا تو ساتھ موجود خاور سے سرگوشی کی۔ ''یہ جیل کب جا رہا ہے؟''

''بس کچھ دن تک۔ میں پکا کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''جلد کرو۔ مجھ سے یہ ادھر برداشت نہیں ہوتا۔'' ناگواری سے کہہ کر گھونٹ بھرا۔

''آپ کی 'اس' سے پھر بات ہوئی؟'' خاور نے دبے لفظوں میں پوچھا۔

''نہیں۔ ابھی تو اسے اس کی بہن کے حوالے سے خوفزدہ کیا ہے۔ کچھ دن سوچے گا وہ۔ پھر بات کروں گا۔''

پھر نگاہیں جواہرات پہ جا ٹھہریں جو ذرا فاصلے پہ کھڑی ہارون عبید سے بات کر رہی تھی۔ ہاشم نے رخ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا کرب اٹھتا تھا ہارون عبید کو دیکھ کر۔ کوئی بہت شدت سے یاد آتا تھا۔

''مجھے امید تھی آپ میرے تحفے کو پہنیں گی' مگر ایسا نہیں ہوا۔'' ادھر وہ جواہرات سے کہہ رہے تھے۔ وہ دراز قد اور باوقار سے سیاستدان تھے۔ آنکھیں گرے تھیں اور ان میں وہی نرم سا شاطر پن تھا جو سیاستدانوں کا خاصہ ہوتا ہے۔

''میرے پاس دن بھر میں ڈھیروں تحفے آتے ہیں ہارون' اگر ہر ایک کا دل رکھنے لگ گئی تو ملکہ نہیں رہوں گی۔ حکمرانی ''ناں'' کرنے کا نام ہے۔ ورنہ ''ہاں'' تو سب کہہ لیتے ہیں۔''

وہ مسکرائے۔ ''میں آپ سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ آپ کے گھر میں کھڑا ہوں۔ آپ ہماری دعوت پہ جب آئیں گی' تو ہم اس گفتگو کو یہیں سے شروع کریں گے۔''

''تب کی تب دیکھی جائے گی!'' جواہرات نے انگلی سے بال پیچھے کرتے کہا۔ ''اور میرا خیال ہے' ان ٹیبلز کی طرف بہت سے لوگ آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔''

ہارون عبید نے ذرا کی ذرا اس طرف دیکھا' پھر سر کو خم دیا۔ ''آپ اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کریں' اور میں انہیں۔'' مسکرا کر پلٹ گئے۔ وہ بھی مسکرا کر ان کو جاتے دیکھتی رہی' انگلی مسلسل نیکلیس کے سبز پتھروں پہ پھیر رہی تھی۔

''اس عمر میں بھی آپ سے سیکھنے کو بہت کچھ ہے مسز کاردار۔'' شہرین کھنکھار کر کہتی اس کے قریب آئی تو جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ آسمانی رنگ کی میکسی میں ملبوس تھی، باب کٹ سنہرے بال بلو ڈرائے کر کے سیٹ تھے' اور آنکھوں میں معنی خیز مسکراتا تاثر تھا۔

''اگر آپ ان کا تحفہ پہن لیتیں' یا ان سے چند فقرے مزید کہہ دیتیں تو آپ کی کشش ماند پڑنے لگتی' کیا ہی اچھا ہنر ہے کسی کو اکسانے کا۔''

جواہرات نے ایک پرتپش نظر اس پہ ڈالی' مگر لبوں پہ مسکراہٹ جمی رہی۔ ساتھ ہی بازو بڑھا کر ویٹر کی ٹرے سے گلاس اٹھایا اور اتنی تیزی سے واپس لائی کہ وہ الٹنے لگا' شہری کے اوپر.... مگر.... کسی نے گلاس اور جواہرات کے ہاتھ' دونوں کو سختی سے پکڑ کر مشروب گرنے سے روکا۔ شہری ہل بھی نہ سکی۔ جواہرات نے بھی چونک کر دیکھا۔

فارس اس کا ہاتھ پکڑے' گلاس واپس ٹرے میں رکھ رہا تھا۔ ''دھیان سے مسز کاردار' آپ اپنی بہو کے کپڑے خراب کرنے والی تھیں۔''

جواہرات کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ گھور کر فارس کو دیکھا۔

''تمہارا شکریہ فارس' میں اسے یاد رکھوں گی۔'' ان دونوں کو گھورتے آگے بڑھ گئی۔

شہری جو اس غیر متوقع صورتحال کے لئے تیار نہ تھی' بمشکل سنبھلی تھی۔ جوس کے گلاس کو دیکھ کر جھرجھری لی اور پھر فارس کو دیکھا۔

''تھینک یو۔تم نے میرا ڈریس بچالیا۔'' اس نے بس ہلکے سے کندھے اچکائے۔منہ میں کچھ چبا رہا تھا اور گردن موڑے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ذرا اکتایا ہوا' ذرا بے نیاز۔شہری نے کتنے دن بعد غور سے اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں جیل سے باہر دیکھ کر اچھا لگتا ہے فارس۔'' پھر نگاہ دور کھڑی سرخ ساڑھی والی زمر پہ پڑی' جو مسکرا کر کسی سے بات کر رہی تھی۔شہری کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔''تم نے جلدی نہیں کر دی شادی میں؟''

وہ چونکا۔''کیوں؟''

''یونہی۔ڈی اے کے چہرے سے لگتا ہے وہ خوش نہیں ہے تمہارے ساتھ...''

''کیوں؟ کیا اس کے چہرے پہ وہی ناخوش تاثر ہے جو تمہارے چہرے پہ ہوتا تھا جب تم ہاشم کی بیوی تھیں؟''

انگاروں پہ پانی ڈالا تو وہ اور بھڑک اٹھے۔شہری کی آنکھوں میں چبھن بھری بے بسی ابھری۔''تمہیں ان مظالم کا اندازہ بھی نہیں ہے جو ہاشم نے مجھ پہ کیے ہیں' اس نے مجھے اتنے سال ٹارچر....''

''چار سال جیل میں رہا ہوں شہری' اپنے ٹارچرز کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ کسی دوسرے کے ٹارچرز سننے میں دلچسپی نہیں رہی۔سی یو!'' ذرا اکتا کر کہتا' سر کو الوداعی انداز میں خم دیتا وہ آگے بڑھ گیا۔شہری کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔پھر نرمی سے مسکرائی۔کوئی بھی بات اسے بری نہیں لگی تھی۔اپنی میز سے نوشیرواں نے غور سے یہ سب دیکھا تھا پھر بڑبڑا کر منہ موڑ لیا۔

اسی اثناء میں زمر کو پیچھے سے کسی نے ''السلام وعلیکم'' کہہ کر پکارا تو وہ چونک کر پلٹی۔ڈنر جیکٹ میں ملبوس مسکراتا ہوا احمر وہاں کھڑا تھا۔وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ ادھر کہاں؟''

''بھول گئیں؟ ہارون عبید کا کیمپئین مینیجر ہوں۔جہاں وہ' وہاں ہم۔'' سر کو جھکا کر اسٹائل سے کہا۔

''میرے کام کا کیا بنا؟''

''مصروف رہا بہت' جلد کوئی اپ ڈیٹ دوں گا' مگر ایک بات۔ہارون عبید کا کیمپئین مینیجر... پندرہ ہزار فی گھنٹہ لیتا اچھا نہیں لگے گا' سو...''

ذرا سوچنے کی اداکاری کی۔''میری فیس بڑھائیں۔۲۵ ہزار فی گھنٹہ!''

''پچیس ہزار فی گھنٹہ؟'' زمر نے مسکرا کر دہرایا۔

''ویسے تو یہ بھی کم ہیں' مگر چلیں' آپ کے لئے اتنی رعایت کر سکتا ہوں۔''

''تھینک یو سو مچ احمر۔آپ بہت اچھے ہیں' اور اتنے ہی اچھے لگ رہے تھے اس فوٹیج میں جس میں آپ کریڈٹ کارڈ فراڈ کرتے دکھائی دے رہے تھے' صبح ہی میں نے دیکھی' واحد اور یجنل کاپی جو آپ کا کیس بند کرنے کے بعد مجھے ملی' اتنی بڑی نہیں ہے کہ دوبارہ کیس کھولا جا سکے' لیکن....'' چہرہ موڑ کر سوچتی نظروں سے ہارون عبید کو دیکھا۔''اگر ہارون عبید نے یہ ویڈیو دیکھی' اور ان کو لگا کہ اس کا ریلیز ہونا ان کی کیمپئین کے لئے شرمناک ہوگا' تو وہ کیا کریں گے؟ خیر' یہ سوچنا میرا کام نہیں ہے۔ہاں تو ہم آپ کی فیس کی بات کر رہے تھے۔'' گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے' بڑی تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔وہ لب بھینچے' دانت پیستے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے آپ کا ایک بڑا خوبصورت نِک نیم رکھا تھا میں نے' اس وقت بہت یاد آ رہا ہے۔'' جبراً مسکرا کر بولا۔''اور فیس؟ چھوڑیں بھابھی۔آپ میرے دوست کی بیوی ہیں' آپ سے فیس لیتے اچھا لگوں گا۔''

''تھینک یو احمر!'' مسکرا کر سر کو خم دیا۔''میرا کام ہو جائے' تو وہ فوٹیج آپ کی ہوئی!'' چڑیل آگے بڑھ گئی اور وہ کینہ توز نظروں سے

اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ ڈاکٹر جس نے گولیاں لگنے کے بعد اس کو بچایا تھا، اس کو چوک میں کھڑا کر کے پچاس درے تو لگنے ہی چاہئیں!'' پھر زور سے بوٹ گھاس پہ مارا۔ اور اسی برے منہ سے پلٹا تو سامنے کھڑی لڑکی پہ نظر پڑی۔ وہ نیلی لمبی قمیض میں ملبوس تھی' اور ہتھیلی مٹھی تلے رکھے' دور کچھ دیکھتی سوچ میں گم تھی۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا دو قدم قریب آیا۔

''آپ سعدی کی بہن ہیں نا؟'' حنہ نے چونک کر گردن موڑی' پھر سیدھی کھڑی ہوئی۔ اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''جی۔''

''میں نے اس دن آپ کو پہچان لیا تھا، آپ کی تصویر دیکھی تھی ایک دفعہ' کسی اخبار میں۔ آپ نے کوئی بورڈ ٹاپ کیا تھا' ہے نا؟'' بالآخر اسے یاد آ گیا تھا کہ اس نے حنہ کو کہاں دیکھا تھا۔

حنین یوسف کے چہرے کی رنگت سفید پڑی۔ ''جی۔'' تھوک نگلا۔

''اچھا تو کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟''

''بی اے کیا ہے۔''

وہ حیران ہوا۔ ''صرف بی اے؟ آپ کو تو ڈاکٹر یا انجینئر بننا چاہیئے تھا، ورنہ بورڈ کیوں ٹاپ کیا؟ کیا نقل کر کے کیا تھا؟''

اور احمر کے لیے بہت سی باتیں صرف مذاق ہوتی تھیں، یہ بات بھی کہہ دی، مگر حنین کی رنگت برف کی طرح ہو گئی۔

''آپ ہیں کون مجھ سے ایسے بات کرنے والے؟'' احمر کو ایک دم احساس ہوا۔

''میں غازی کا دوست ہوں تو، سوری مگر...''

''مطلب مجھے ماموں سے بات کرنی پڑے گی۔'' ایک دم وہ گھوم کر فارس کی طرف گئی۔

احمر کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ زمر سے بات کر لیتا تھا، وہ جاب کرنے والی، سمجھدار لڑکی تھی، کسی کو خود سے فرینک نہ کرتی، اس کی اور بات تھی، مگر فارس کے گھر کی کسی دوسری لڑکی کو اوفینڈ کرنے کا مطلب اتنے برسوں کی دوستی بھاڑ میں جھونکنے جیسا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ دور کھڑے فارس تک گئی، اور اس کو متوجہ کیا۔ احمر سانس روکے اس طرف دیکھے گیا۔

حنین نے اسے کچھ کہا، فارس نے فوراً مڑ کر احمر کی طرف دیکھا۔ وہ تیز تیز بولتی اس کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہے جا رہی تھی۔ فارس نے اچھنبے سے پھر احمر کی طرف دیکھا، پھر آگے بڑھا (''میں دیکھتا ہوں'') مگر حنہ نے فوراً اس کا بازو تھام کر روکا، اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر جیسے تسلی کروائی (میں دیکھ لوں گی)۔ فارس نے مڑ کر دو تین دفعہ اس طرف دیکھا اور واپس پلٹ گیا۔ حنہ نے ایک تیز نظر احمر پہ ڈالی، (اب مجھ سے بات کرنے کی ہمت نہ کرنا) اور آگے بڑھ گئی۔

احمر کا گلاس پکڑے ہاتھ پسینے میں بھیگا تھا۔ وہ شل کھڑا تھا۔ (خدایا، وہ غازی کو کیسے صفائی دے گا؟) تھوڑی دیر بعد اس نے ہمت کی، فارس کی طرف آیا۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔ اس لڑکی نے جانے کس انداز میں بات کی ہو۔ فارس دور جا رہا تھا، وہ روک نہیں سکا، پھر وہاں کھڑے بور سے ہوتے سیم کو مخاطب کیا۔ ''سنو... میں سعدی کا دوست ہوں۔'' سیم متوجہ ہوا تو تذبذب سے کہنے لگا۔ ''ابھی آپ کی سسٹر میرے بارے میں جو کہہ رہی تھیں غازی سے، وہ...''

''جی؟'' سیم نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر مڑ کر دور جاتی حنہ کو۔ ''آپ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا، وہ تو ان کرسیوں کا پوچھ رہی تھی، کہ وہ زرتاشہ ممانی کے جہیز کی ہیں نا۔'' اس نے ان کرسیوں کی طرف اشارہ کیا جو وہاں رکھی تھیں جہاں ابھی احمر کھڑا تھا۔ ''مگر ماموں کہہ رہے تھے کہ انہیں نہیں یاد کہ وہ زرتاشہ کی ہوں، حنہ نے کہا کہ رہنے دیں وہ خود چیک کر لے گی۔ آپ کو تو کچھ نہیں کہا۔'' وہ حیران سا صفائی

دینے لگا، اور احمر کے اوپر تو مانو ٹھنڈا پانی ڈال دیا کسی نے۔ جلدی سے غلط فہمی کی معذرت کرتا پلٹا تو تلملا رہا تھا۔

(یہ کیا چیز تھی؟)

.....❖❖❖.....

تُو بھی ہیرے سے بن گیا ہے پتھر ..... ہم بھی کل کیا سے کیا ہو جائیں گے

اگلی صبح جب جواہرات ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ براجمان ناشتہ کر رہی تھی' تو سامنے کھڑی فیونا نے جھکی آنکھوں مگر اٹھی گردن سے کہا۔

''اگر اسٹاف جائے گا تو میں بھی جاؤں گی مسز کاردار!''

گلاس سے گھونٹ بھرتے جواہرات نے آنکھیں اٹھائیں اور مسکرائی۔ پھر ٹیک لگا کر بغور اسے دیکھا۔

''تم فیونا ہو' مگر تم جواہرات کاردار نہیں ہو۔ تمہاری خواہش ہے کہ تم جواہرات ہوتی' مگر تم نہیں ہو۔ تو میں تمہیں پہلی اور آخری بار ایک بات بتاتی ہوں۔ سارے اسٹاف کو نکال کر تمہیں اس لئے رہنے دیا کیونکہ تم وفادار ہو' مگر.... تم جانا چاہو تو چلی جاؤ' میں تمہارا پے چیک بنا دیتی ہوں۔ لیکن جاتے وقت تمہیں بونس اور وہ نیکلیس چھوڑنا پڑے گا جو تم نے میری ایجنیو سے چوری کروایا' اور جو میں نے بعد میں تمہیں دے دیا تھا۔''

فیونا نے نظریں اٹھائیں۔ ان میں تعجب تھا' اور فکرمندی بھی۔

''میں نے وہ آپ کے کہنے پہ چوری کروایا تھا میری سے!''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو' اتنا بڑا الزام۔ فیونا اگر یہ بات تم ہاشم کے سامنے کہو تو وہ کیا حال نہ کرے تمہارا؟ چچ چچ۔'' افسوس سے کہتے' اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا۔

فیونا برے دل سے پلٹ آئی۔ کچن کے قریب راہداری بیسمنٹ میں جاتی' جہاں ملازمین کے کمرے تھے۔ چھوٹے مگر صاف ستھرے کمرے۔ اس کے کمرے میں ایک سنگل بیڈ بچھا تھا' ایک سنگھار میز اور ایک الماری تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور دراز سے وہ نیکلیس نکال کر گردن سے لگایا جو مسز کاردار نے اسے اکیس مئی کی شام بڑی لاپرواہی سے دان کر دیا تھا۔

آئینے میں نظر آتے عکس میں ہیروں کی چمک سحر انگیز تھی۔ اس چمک میں اسے وہ گھنگریالے بالوں والا لڑکا یاد آیا جس کی جیب میں اس نے یہ نیکلیس پارٹی کے دوران ڈالا تھا۔ یقیناً اسی نے یہ مسز کاردار کو واپس کر دیا ہوگا۔ اور اب۔ یہ فیونا کا تھا۔

ملازموں کی ملکہ نے ہیروں سے جھلملاتے نیکلیس کو گردن پہ لگائے' چہرہ تن کر اٹھائے رکھا تو آنکھوں میں بھی وہی چمک ابھر آئی۔

کچھ دیر بعد وہ مسز کاردار کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''نیا اسٹاف کس تاریخ سے رکھنا ہے میم؟ کیا میں بھی انٹرویو میں شامل ہوں گی؟''

''آف کورس!'' جواہرات مسکرائی تھی۔

.....❖❖❖.....

مرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو ..... مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو

ملاقاتی کمرہ آج بھی ویسا ہی تھا مگر ماحول میں تناؤ کا رخ اور تناسب بدل چکا تھا۔ اے ایس پی سرمد شاہ موجود نہیں تھا' اور بالآخر کئی دن بعد وہ دونوں نیاز بیگ سے تنہائی میں مل رہے تھے۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا' قدرے بے چین اور مضطرب لگتا تھا۔ ایک آنکھ سوجی تھی' کان تلے زخم' ہونٹوں اور گردن پہ جما خون۔ زمرد گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اوپر سے نیچے اس کے زخم دیکھ رہی تھی۔

''میں نے اس کو گولی نہیں ماری تھی۔ میں...'' وہ کہنے لگا تھا' مگر فارس غصے سے میز پہ ہاتھ مارتے ہوئے آگے ہوا۔'' بکواس مت کرو۔ میرے بھانجے کو تم نے مار کر پھینک دیا' اور اب تم اپنا بیان بدل رہے ہو۔''

''فارس! ریلیکس!'' زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا جو غصے سے نیاز بیگ کو گھور رہا تھا۔'' وہ بیان نہیں بدل رہا' میرا خیال ہے، وہ ہمیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم بولو نیاز بیگ میں سن رہی ہوں۔''

''پہلے مجھے بتائیں' میرے بولنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟'' وہ زمر سے مخاطب ہوا تو اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔

''کیا مطلب تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟'' وہ گویا کھول اٹھا۔'' مجھے پانچ منٹ مل جائیں تمہارے ساتھ' تم سے سب اگلوا لوں گا' اس لئے زیادہ فائدے نقصان کی باتیں مت کرو' کام کی بات پہ آؤ۔''

''فارس تم غصہ مت کرو' مجھے بات کرنے دو۔'' تحمل سے گویا اس کو سمجھاتی وہ نیاز بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔ فارس سر جھٹک کر پیچھے ہو کر بیٹھا اور تندہی سے اس کو دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا لوں گی' تم اس کیس سے بھی نکل جاؤ گے' اور شزا ملک کے کیس سے بھی۔ میں سرکاری پراسیکیوٹر نہیں ہوں مگر سعدی یوسف کیس میں پراسیکیوٹر میں ہی ہوں' سو مجھے بتاؤ' ہر بات جو تم جانتے ہو۔''

''شزا ملک کیس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہا تمہارے لڑکے کا قتل... تو وہ قتل نہیں ہوا۔'' وہ بے بسی بھرے اضطراب سے بولنے لگا۔'''' اکیس مئی کی رات مجھے اے ایس پی نے فون کیا' اور ہسپتال بلایا' پھر اس سرجن بخاری کے پاس لے گیا' بولا کہ یہ لڑکا غائب کرنا ہے' مگر جب آپریشن ہو جائے اور اس کی حالت خطرے سے باہر آ جائے' تب ان کو وہ زندہ چاہیے تھا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ کچھ ماہ کے لئے اس لڑکے کے قتل کے جرم میں اندر جانا ہوگا' پھر ہم تمہیں نکلوا لیں گے۔''

''بدلے میں کیا دیا؟''

''پیسے... اور میرے بھائی علیم بیگ کے اوپر کیس ختم کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ میرا بھائی ابھی تک مفرور ہے' پچھلے سال اسمگلنگ کی وجہ سے... خیر... میں نے وہی کیا۔ جو میرے ساتھ دوسرا ادرڈ بوائے تھا' وہ ان کا اپنا لڑکا تھا' ہم تمہارے لڑکے کو اسٹریچر پہ باہر لائے' ایمبولینس میں ڈالا' اندر سب تھا' مشینیں' ڈاکٹرز' نرس۔ خیر میں وہیں سے گھر چلا گیا۔ اے ایس پی نے کہا کچھ دن چھپ جاؤ' پھر پکڑ لیں گے تمہیں۔ یہاں تک سب ٹھیک ہو گیا' مگر اس روز اس نے مجھے شزا ملک کے کیس میں پھنسا دیا۔ اس نے مجھے وہاں بلوایا اور پھر گرفتار کر لیا۔ یہ سب اے ایس پی نے کیا ہے۔'' چند گہری سانسیں لیں' ذرا توقف کیا' اور پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا جو خاموشی سے سن رہے تھے۔ دفعتاً زمر اٹھ گئی۔ فارس بھی کھڑا ہوا۔ نیاز بیگ نے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''مجھے کب گواہی دینی ہوگی؟''

''کون سی گواہی؟'' زمر نے ساتھ ہی پرس کندھے پہ ڈالا۔

''ابھی... تم نے کہا وکیل صاحبہ کہ تم مجھے وعدہ معاف گواہ بنا لو گی اور...''

''میں نے کب کہا؟'' زمر نے تعجب سے فارس کو دیکھا۔

''نیاز بیگ...'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔'' جو آدمی اپنا بیان اتنی دفعہ بدلے' اس پہ ہم یقین نہیں کر سکتے۔ تم ہی قاتل ہو' ہمیں معلوم ہے۔''

نیاز بیگ ایک دم ششدر رہ گیا تھا۔

''اور اے ایس پی ہمارا دوست ہے' اس نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم یہ سب کہو گے' اس لئے... دوبارہ ہم سے ملنے کی

درخواست کرنے کی زحمت مت کرنا۔'' زمر نے کہا اور وہ دونوں باہر کی طرف بڑھ گئے۔ پیچھے وہ بے اختیار اٹھ کر مضطرب سا چلا رہا تھا۔

''میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں.... سرمد شاہ نے کروایا ہے یہ سب....'' مگر وہ باہر نکل آئے۔ دروازے پہ زمر رکی اور اس کی طرف مڑی۔ غور سے اس کو دیکھا۔

''آج اپنی عقل نہیں ماری آپ نے میرے پاؤں پہ؟''

''اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے سمجھ آ گیا تھا کہ تم کیا کر رہے تھے۔'' وہ دبی آواز میں بولی۔ ''جب ہم ہسپتال سے فونیج نکلوانے گئے تھے' اور جب پہلی دفعہ ہم نیاز بیگ سے ملنے آئے تھے' تو مجھے واقعی تمہارے غصے سے وحشت ہوئی تھی' مگر تم Good Cop , Bad Cop کھیل رہے تھے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ (مشہور زمانہ اور قدیم تفتیشی حربہ جس میں مجرم کے سامنے ایک آفیسر غصے سے بات کرتا ہے' دھمکیاں دے کر ڈراتا ہے' اور دوسرا نرمی سے بات کر کے ہمدردی لیتا ہے تا کہ اگر مجرم خوف کا شکار نہ ہو تو ہمدردی کا نشانہ ضرور بن جائے۔) ''تمہیں معلوم تھا کہ میں فونیج نکلوالوں گی' تم صرف میرے لئے چیزیں آسان کر رہے تھے' مگر یو نو واٹ فارس' اگلی دفعہ کچھ کرنے سے پہلے مجھے آگاہ کر دینا۔''

''اچھا؟ میں سمجھا آپ کو پہلے سے معلوم ہوگا۔ کیونکہ آپ کو تو میرے ہر جرم کی خبر ہوتی ہے۔'' اس کی طرف جھک کر ہلکا سا کہا' اور پھر آگے بڑھ گیا۔ اس کے اندر ابال سا اٹھا مگر ضبط کر کے پیچھے آئی۔

''اس نے وہی کیا جو آپ نے کہا تھا۔ سارا ملبہ آپ پہ ڈال دیا۔ اور اس ڈاکٹر پہ بھی۔'' اے ایس پی کے پاس رخصت ہوتے وقت وہ کہہ رہی تھی۔ سرمد شاہ نے گہری سانس لی۔ تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑے۔ ''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس کا یقین نہیں کیا۔''

''شاہ صاحب' ہم نے اتنا عرصہ ساتھ کام کیا ہے' یہاں روز بیان بدلے جاتے ہیں' پھر اس کی باتوں کی کس کو پرواہ ہوگی؟'' شانے اچکا کر کہتی وہ پرس کی اسٹریپ کندھے پہ ڈال رہی تھی۔ جبڑوں میں ہاتھ دیے کھڑے فارس کا مسلسل گم چبانا منہ رکا' اور اس نے آنکھیں تیکھی کر کے اے ایس پی کو دیکھا۔

''سنو' دوبارہ ہمیں یہاں نہ بلانا' کیونکہ تمہارے اس کرائے کے غنڈے کی بک بک سن کر میرا دماغ گھوم جاتا ہے' اس کا بھائی تمہارے ساتھ کیا کرے گا' مجھے پرواہ نہیں' لیکن اگلی دفعہ اس نے اپنے بھائی کی دھمکی میرے خاندان کے لئے دی' تو یہ حوالات سے جیل کا آدھا راستہ بھی نہیں پہنچ پائے گا۔'' درشتی سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سرمد شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اس کے بھائی کا کیا ذکر؟''

''مجھے نہیں پتہ' کسی علیم بیگ کے نام کی دھمکی دے رہا تھا کہ وہ ہمیں' اے ایس پی' اور ڈاکٹر کو دیکھ لے گا وغیرہ وغیرہ۔ واٹ ایور!'' وہ موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتی باہر نکل گئی۔ سرمد شاہ پرسوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

ہم کو جو ملا ہے، وہ تم ہی سے تو ملا ہے
ہم اور بھلا دیں تمہیں، کیا بات کرو ہو؟

اس رات جب آسمان سیاہی سے ڈھک گیا اور سڑکیں جگمگاتی ٹریفک لائٹس سے روشن ہو گئیں تو ایک پرائیویٹ کلینک کے کمرے میں ڈاکٹر توقیر بخاری کے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر توقیر سرمئی قلموں اور تراشیدہ مونچھوں والے درمیانی عمر کے شخص تھے اور اس وقت عینک کے پیچھے آنکھیں سکیڑے وہ دعوت نامہ پڑھ رہے تھے جو زمر نے ان کو دیا تھا۔

''میموریل ڈنر گلے ہفتے ہے۔ سعدی کے دوستوں نے ارینج کیا ہے۔ چونکہ آپ نے اس کی جان بچائی تھی' تو میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی پوری فیملی کے ساتھ آئیں' اور ہمارے ساتھ کچھ وقت اسے یاد کرنے میں گزاریں۔'' وہ نرمی اور امید سے کہہ رہی تھی۔ فارس خاموش

بیٹھا ان کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

انہوں نے نگاہیں اٹھائیں' اداسی سے مسکرائے۔ ''ہم ضرور آئیں گے اور مجھے بہت افسوس ہے آپ کے بھتیجے کے لئے۔ کیا آپ لوگوں کی کسی سے دشمنی تھی؟'' وہ دعوت نامہ لفافے میں ڈالتے سادگی سے پوچھ رہے تھے۔

زمر نے گود میں رکھی مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں' آنکھوں میں تپش سی اٹھی' مگر پھر بظاہر یاسیت سے مسکراتے نفی میں سر ہلایا۔

''چند پیسوں کے لئے ایک شخص نے اسے مار کر لاش پھینک دی۔ ہم آج اسی کو ملنے گئے تھے' اس نے اپنا بیان بھی تبدیل کر دیا۔ لوگ پیسوں کے لئے کس حد تک چلے جاتے ہیں۔ ہے نا ڈاکٹر صاحب؟''

''بالکل' آئی ایگری!'' افسوس سے وہ سر ہلا رہے تھے۔ ''خدا کرے جو قاتل پکڑا گیا ہے' وہ اپنے انجام کو پہنچے۔''

''خدا کرے سب اپنے انجام کو پہنچیں۔'' وہ نظریں جھکائے ہلکا سا بولا تھا۔ ڈاکٹر توقیر کو کمرے میں ایک دم آکسیجن کی کمی محسوس ہونے لگی۔ زمر کو دیکھتے بات کا رخ بدلا۔

''اے ایس پی صاحب کا مجھے فون آیا تھا' وہ کہہ رہے تھے نیاز بیگ پولیس اور ہسپتال انتظامیہ کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے۔''

''پولیس؟'' زمر نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ ''پولیس نہیں' صرف آپ کا ذکر کیا تھا۔''

''مسز زمر' میرا یا ہسپتال کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے' میں آپ کو یقین دہانی کرواتا ہوں۔'' سینے پہ ہاتھ رکھ کر وہ فکرمندی سے کہہ رہے تھے۔

''آف کورس ہمیں پتہ ہے' بلکہ جب اے ایس پی صاحب نے کہا بھی کہ ہم ایف آئی آر میں کوئی اور نام درج کروانا چاہتے ہیں' تو ہم نے....'' فارس کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا....'' انکار کر دیا۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ نیاز بیگ جھوٹ بول رہا ہے۔''

''اے ایس پی نے آپ سے.... میرا نام ایف آئی آر میں ڈالنے کا پوچھا؟'' انہوں نے بروقت فقرہ پکڑا تھا۔

''نہیں' انہوں نے صرف کسی اور نام کا پوچھا تھا۔ دیکھیں وہ ہمارے بہت اچھے دوست ہیں' وہ صرف انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ہمیں ہمارے تمام حقوق دے رہے تھے' خیر... آپ میموریل پہ ضرور آیئے گا' ہماری فیملی اور فرینڈز آپ کے اس جیسچر کی بہت قدر کریں گے۔'' وہ چائے کا آخری گھونٹ بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

فارس بھی اٹھا، ڈاکٹر توقیر کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا' جسے انہوں نے کھڑے ہوتے ہوئے تھاما۔ البتہ ان کے پرسکون تاثرات میں اضطراب تھا۔ وہ الوداعی کلمات کہتے ہوئے خاصے ڈسٹرب تھے۔

اور اسی لمحے دروازہ کھلا۔ فارس کی اس طرف پشت تھی مگر ایک مانوس سی آہٹ سنائی دی تھی۔ انگوٹھی کے نگینے سے دستک دینے کا انداز۔ زمر مڑی۔

اندر آنے والی عورت ذرا بھرے چہرے اور بوٹے قد کی حامل تھی' بال کیچر میں بندھے تھے' دلکش شخصیت' بہترین لباس' کانوں میں ٹاپس۔ دونوں ٹاپس میں ایک، ایک موٹا سا Solitaire ڈائمنڈ جڑا تھا۔ وہ جھلملاتے ٹاپس اتنے خوبصورت تھے کہ اس عورت کی شخصیت کو کئی گنا مزید نکھار گئے تھے۔

''یہ میری وائف ہیں' ڈاکٹر ایمن.... یہ مسز زمر.... اور....''

فارس نے آہستہ سے گردن موڑی۔ ڈاکٹر توقیر کے الفاظ کنویں میں گونجتی آواز کی مانند دور دور تک سنائی دے رہے تھے' لمحوں کے لئے ساری دنیا ساکن ہو گئی تھی۔ اور مسکراتی ہوئی ڈاکٹر ایمن قریب آ رہی تھیں۔ اس نے اس عورت کے ہلتے لب دیکھے' وہ زمر سے کچھ کہہ رہی تھی' تعارف پھر تعزیت بھرے الفاظ.... آوازیں بند ہو چکی تھیں.... پھر ڈاکٹر ایمن نے چہرہ اس کی طرف موڑا' اس کی آنکھوں میں جھانکا'

مسکرائی اور ہاتھ سے اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپتھپایا۔ جیسے کسی پرانے مریض بچے سے عرصے بعد اس کا ڈاکٹر مل رہا ہو۔ اس کی انگوٹھی کے اندر کی طرف کوئی نوکیلی شے تھی جو فارس کے کندھے پہ چبھی تھی.... اور وہ چبھن..... بہت کچھ تازہ کر گئی.... اس کے اردگرد کا منظر بدلا۔ کمرہ بدلا۔ کیلنڈر بدلا۔ سارے تین سال قبل وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا اور ڈاکٹر ایمن چلتے ہوئے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میرے مریض میرے بچوں کی طرح ہیں۔'' اس کے کندھے کو تھپکا۔ انگوٹھی چبھی تھی۔ فارس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

''نہ میں آپ کا مریض ہوں' نہ آپ کا بچہ۔ میرا نام فارس غازی ہے۔''

''اور میں ڈاکٹر ایمن بخاری ہوں....'' مسکرا کر نرمی سے کہتی وہ سامنے کرسی پہ جا بیٹھی۔

''مجھے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن' اور مجھے پتہ ہے کورٹ مجھے کیوں ان سیشنز پہ مجبور کر رہی ہے۔ اگر آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس طرح میں ان جرائم کا اعتراف کر لوں گا' جو میں نے نہیں کیے' تو آپ اپنے فیکلٹس درست کر لیں۔'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے خشک سا کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخموں کے نشان تھے اور ایک ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔

''تمہارے خیال میں اس کا مقصد صرف Confession کروانا ہے؟ اونہوں!'' نفی میں سر ہلایا۔'' Confession وہ واحد ''C'' ہے جس کا میرے اور تمہارے ریلیشن شپ سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہیں معلوم ہے پنجاب پرزن کے چار 'C' کون سے ہیں؟''

وہ کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا رہا۔

''کسٹڈی.....'' وہ نرمی سے کہنے لگیں۔'' کیئر.... کنٹرول اور Correction! ہم یہاں انہی کے لئے ہیں۔ میں تمہاری طرف کی کہانی سننا چاہتی ہوں' تاکہ تمہاری ذہنی حالت متوازن رہے۔'' وہ نوٹ پیڈ سامنے رکھے قلم کھول رہی تھی۔'' تم جو بھی کہو گے' وہ ڈاکٹر پیشنٹ privilige کے تحت محفوظ رہے گا۔''

''میں پنجاب پرزن کے چار 'C' جانتا ہوں' کیا آپ Confidentiality کے پانچ 'C' جانتی ہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا پوچھ رہا تھا....

''ہاں، وہ پانچ ''سی'' جن کے تحت پریویلیج توڑا جا سکتا ہے۔ consent, court order, comply with the law, continued treatment and communicate a threat."

(مریض کی اجازت، کورٹ کا حکم، قانون کی پاسداری کے لیے، مریض کے علاج کے لیے ناگزیر ہونا، یا مریض کی طرف سے دوسروں کو خطرہ ہونے کی صورت میں سدِ باب کے لیے۔ ان میں سے کسی وجہ کی بنا پہ سائیکاٹرسٹ کسی کو اپنے مریض کی بات بتا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔)

''کیسے ہو فارس غازی!'' انگوٹھی کی چبھن لوٹی اور اردگرد کا منظر بدلا۔ ماضی تحلیل ہوا' اور وہ حال میں' ڈاکٹر ایمن کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ عادتاً اس کا کندھا تھپک کر ہاتھ نیچے گرا چکی تھی۔ ایسی عادت عام طور پہ اس معاشرے کی خواتین ڈاکٹرز میں نہیں ہوتی مگر وہ عورت عام نہیں تھی۔

''آپ....'' اس نے سوالیہ نظروں سے باری باری دونوں میاں بیوی کو دیکھا' آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''میں ڈاکٹر توقیر کی بیوی ہوں۔''

''اوہ!'' اس کے لب سکڑے۔

''آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟'' زمر نے بظاہر خوشگوار حیرت سے فارس کو دیکھا' آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا بھی۔ (کتنا اداکار ہے یہ' اور ہاشم کہتا تھا' اسے اداکاری نہیں آتی۔)

''یہ....ڈاکٹر ایمن ہیں....میری....'' فارس نے ڈاکٹر ایمن کو دیکھا' آواز ٹوٹ سی گئی...

''میں فارس کی ڈاکٹر رہی ہوں اور اس کے بھائی کی بھی' اور بدقسمتی سے مجھے اپنے پیشنٹ کے خلاف کورٹ میں گواہی دینی پڑی۔'' وہ اداسی سے مسکرائیں۔

''اوہ۔تم تو ان سے بہت خفا ہو گے اس کے لئے۔'' زمر کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔

''ایسا نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن نے میرا بہت ساتھ دیا ہے جیل کے وقت میں' ان دنوں میں ذہنی طور پہ متوازن نہیں تھا' اس لئے ان کو کورٹ کو میری ذہنی حالت کے بارے میں بتانا پڑا' انہوں نے جو کیا' اچھا کیا۔'' وہ مدافعانہ انداز میں زمر کو کہنے لگا۔

''مسز غازی' فارس صحیح کہہ رہا ہے' اس وقت اس کے لئے یہ ضروری تھا۔'' پھر نرمی سے اس کو دیکھا۔''اب کیسے ہو تم؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے اسی نرمی سے جواب دیا۔''کورٹ نے مجھے بری کر دیا' میں نے اپنے کیے کی سزا کاٹ لی' زمر نے مجھے معاف کر دیا' ہم نے شادی کر لی' I Moved on!'' (زمر کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی' مگر کچھ کرنے سے قاصر تھی۔)

''مجھے بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر فارس!''

''مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہو گی۔'' وہ بظاہر مسکرایا۔سینے میں کوئی زور سے اسے جکڑ رہا تھا' مگر وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔

''آپ کے ٹاپس بہت خوبصورت ہیں!'' جاتے ہوئے زمر نے تعریف کی۔ڈاکٹر ایمن مسکرائی۔

''توقیر نے لاسٹ منتھ اینورسری کا گفٹ دیا ہے۔مرد عموماً اپنی محبت کا اظہار ہیروں سے کیا کرتے ہیں۔ہے نا، فارس؟'' مسکرا کر فارس کو دیکھا، اس کی گردن میں گلٹی سی ابھری۔مگر بولا کچھ نہیں۔ڈاکٹر ایمن نے زمر کے ہاتھوں کو دیکھا۔

''آپ کی تو ابھی شادی ہوئی ہے، مگر آپ نے کوئی ڈائمنڈ نہیں پہنا ہوا۔''

کمرے میں لمحے بھر کی طویل خاموشی چھائی۔

''مجھے چمکتے پتھروں میں کوئی کشش نہیں نظر آتی!'' بس مسکرا کر اتنا کہہ پائی۔

''زمر نے مجھے معاف کر دیا' ہم نے شادی کر لی، واؤ!'' باہر کار کی طرف جاتے وہ استہزائیہ انداز میں دہرا رہی تھی۔

''مجھے اس کو یقین دلانا تھا کہ میں موو آن کر چکا ہوں۔'' وہ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔زمر گھوم کر اس کے سامنے آئی اور تیز نظروں سے اسے گھورا۔وہ رک گیا۔

''تم نے اسی لئے مجھ سے شادی کی' ہے نا؟ تاکہ تم ساری دنیا کو یقین دلا دو کہ تم موو آن کر چکے ہو؟ نئی زندگی شروع کر چکے ہو' کون بے چارے فارس غازی پہ شک کرے گا اب؟'' وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''آپ سے شادی کرنے کے لئے میرے پاس تین وجوہات تھیں۔پہلی' آپ کے والد کے احسان ہیں مجھ پہ ان کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔دوسری' میں شادی کر کے واقعی سب کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں آگے بڑھ چکا ہوں۔''

''اور تیسری؟'' فارس کی نظریں اس کی خفا آنکھوں سے ہوتیں، نتھ پہ پھسلیں۔رخ موڑ گیا۔

''میں آپ کے آگے جواب دہ نہیں ہوں' کیونکہ اس شادی کے معاملات آپ نے شروع کیے تھے' میں نے نہیں!'' اور ایک طرف سے نکل کر کار کی طرف بڑھ گیا۔

اندر کلینک میں ڈاکٹر توقیر کمرے کا دروازہ بند کر کے ناراضی سے ڈاکٹر ایمن کی طرف گھومے۔

تمہیں بتایا تھا میں نے کہ وہ آ رہے ہیں' پھر یہاں اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے' وہ ماتھے کا پسینہ صاف کر رہے تھے۔ڈاکٹر ایمن سامنے کرسی پہ بیٹھی' لاپرواہی سے ناک سے مکھی اڑائی۔

''اس کو آج نہیں تو کل پتہ چلنا ہی تھا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔''

''وہ چار سال جیل میں رہا ہے' تم نے اس کی ضمانت نہیں ہونے دی' وہ تھوڑی دیر میں دو جمع دو کر لے گا' پھر کیا وہ یہ نہیں سوچے گا کہ اتفاق سے تمہارے ہی شوہر نے اس کے بھانجے کا آپریشن کیوں کیا ہے؟''

''ریلیکس! میں اس کو جانتی ہوں' اس کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں' میں اپنے کام میں بہت اچھی ہوں' مجھے اندازہ تھا کہ کبھی نہ کبھی وہ جیل سے ضرور نکلے گا' یا بھاگے گا' اس لئے میں نے اس کو ایسے برین واش کیا تھا کہ وہ میرے خلوص پہ کبھی شک نہیں کرے گا۔ نہ آج' نہ کل۔ چار سال جیل میں رہا ہے، اب کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جو اسے دوبارہ جیل بھجوائے۔'' گریبان میں اڑسی سن گلاسز اتار کر ان کو وہ اب بیگ میں ڈال رہی تھی۔

''ایمن.... ایمن!'' وہ متفکر اور پریشان سے ان کے سامنے آ بیٹھے۔ ''ہم نے ان کا بھانجا غائب کروایا ہے' اور وہ جعلی وارڈ بوائے ہمارا نام لے رہا ہے' کھلم کھلا۔''

''ڈونٹ وری' سرمد شاہ اسے سنبھال لے گا۔ یہی وقت ہے' جب ہم اس سے مزید ڈیمانڈز منوا سکتے ہیں' ورنہ ہم کسی بھی وقت کہہ سکتے ہیں کہ پولیس نے ہمیں مجبور کیا یہ سب کرنے کے لئے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

ڈاکٹر توقیر نے سر جھٹکا' آستین سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا۔

''وہ کسی کا بیٹا تھا' ہمارے بھی تین بچے ہیں' ہم نے اس کی زندگی داؤ پہ لگا دی۔''

''تمہیں ان ہزاروں لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں سوچنا چاہیے تو قیر جو ہم اپنے ہاسپٹل سے بچائیں گے' صرف دو ماہ رہتے ہیں اس ہسپتال کی اوپننگ میں جس کے لئے میں نے اور تم نے پچھلے کئی سال کام کیا ہے۔ سرمد شاہ نے فارس کے خلاف گواہی دینے کے لئے کیا دیا تھا ہمیں؟ صرف پلاٹ کا قبضہ۔ اس کے اوپر ہر چیز ہم نے خود لگائی ہے۔ اس لئے تم سرمد شاہ سے بات کرو اور اس سے کہو، ہماری ڈیمانڈز پوری کریں!'' وہ دونوں گفتگو کر رہے تھے اور باہر رات قطرہ قطرہ پگھلتی جا رہی تھی، سب کے گناہوں کو چھپائے، سب کے پردے ڈالے!

.....❖❖❖.....

جب عشق تجھے راس نہیں ہے تو مرے دل ..... ہونا تھا یہی حال ترا بارِ دگر بھی

یہ تین دن بعد کا ذکر ہے۔

رات کی تاریکی اس زیرِ تعمیر گھر پہ بھی چھائی تھی۔ پورچ میں خون کا تالاب بہہ رہا تھا' اس پہ وہ گھنگریالے بالوں والا لڑکا اوندھا گرا تھا' اور نوشیرواں جا بجا بوٹ سے اسے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ پھر تھک کر' وہ رکا۔ ایک استہزائیہ نظر اس بے سدھ وجود پہ ڈالی اور جانے کے لئے مڑا۔ اسی پل وہ اوندھا لڑکا سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ خون سے اور آنکھیں نفرت سے سرخ تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے نوشیرواں کو بالوں سے پکڑا اور زور سے اس کا سر دیوار سے دے مارا۔ وہ درد سے چیخا.... اور....

ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ خاموش پڑا تھا' اے سی کی ٹھنڈ کے باوجود نوشیرواں کا پورا جسم پسینے میں بھیگا تھا' دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' بتی جلائی' پانی کی بوتل لرزتے ہاتھوں سے لبوں سے لگائی' پانی کچھ اندر انڈیلا' کچھ بیڈ پہ چھلکا۔ چند گھونٹ بھر کر وہ گہرے سانس لیتا ٹیک لگا کر بیٹھا۔ (بھول جاؤ اس کو شیرو' یہ صرف ایک خواب تھا۔ سعدی کبھی واپس نہیں آئے گا۔) آنکھیں بند کیے وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب ان ڈھائی ماہ میں اس نے سعدی کو خواب میں دیکھا تھا۔ ڈھائی ماہ ہو گئے سعدی کو کھوئے؟ اس نے موبائل اٹھا کر تاریخ دیکھی۔ اگست کا وسط آ پہنچا تھا اور وہ ابھی تک اکیس مئی والے واقعے کو بھول نہیں پایا تھا۔ اف۔۔

نوشیرواں کے کمرے کے باہر سبزہ زار تاریک پڑا تھا۔ انیکسی کی بھی ایک دو کے سوا تمام بتیاں بجھی تھیں۔ اندر جھانکو تو لاؤنج میں نیم اندھیرا تھا۔ ایسے میں زمر تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے دکھائی دے رہی تھی۔

نیچے آکر وہ رکی۔ ایک طائرانہ نگاہ کھلے تہہ خانے میں ڈالی۔ اس کی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ فرش پہ کچھ کاغذ بکھرے تھے' ان پہ ریاضی کے نمبرز اور پتہ نہیں کیا کیا لکھا تھا۔ دو لیپ ٹاپ کھلے تھے' اور حنین فرش پہ بیٹھی' ملگجے لباس اور گول مول بال باندھے' بے قراری سے ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

''حنہ ....تم سوئی کیوں نہیں ہو؟'' وہ فکرمندی سے کہتی قریب آئی۔ حنین ٹھک ٹھک ٹائپ کر رہی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس کی یہی حالت تھی۔ کھانا، سونا، سب چھوڑ کر وہ دن رات یہیں بیٹھی اس یو ایس بی کو کھولنے کی کوشش کرتی رہتی۔

''پھپھو بھائی غلط تھا' فائلز کرپٹ نہیں ہوئیں۔ بلکہ ہو گئی تھیں' مگر میں نے ری کور کر لیں۔ مجھے لگا یہ اسٹینڈرڈ 4096 Bit RSA Encryption ہو گی مگر یہ algorithm جس نے بھی فیکٹر کیا ہے' یہ مختلف ہے۔'' وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''حنین!'' وہ اس کے سامنے دوزانو بیٹھی۔

''مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس میں مختلف کیا ہے' یہ آر ایس اے لگتا ہے' assymteric ہے' اس کی دو کیز ہونی چاہئیں' ایک پبلک اور ایک پرائیوٹ مگر....''

زمر نے فلیش لیپ ٹاپ سے کھینچ لی۔ وہ جو ہوش و حواس کھوئے انداز میں بولے جا رہی تھی' ہکا بکا سا سر اٹھایا۔ زمر نے فلیش کا کور چڑھا کر اسے پرے ڈالا پھر نرمی سے حنہ کو دیکھا۔

''یہ فلیش' اس کی فائلز' مجھے کچھ نہیں چاہیے' کچھ بھی اہم نہیں ہے حنہ' تم سے زیادہ نہیں۔'' حنین ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

''تم نے کہا تھا اگر سعدی کی جگہ تم کھو جاؤ تو میں کیا کروں گی؟ حنہ' تمہیں واقعی لگتا ہے کہ تم کھو نہیں چکی؟''

حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے' آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں ایک Failure ہوں!''

''میں جس حنین کو جانتی ہوں وہ ایک سپر ہیرو تھی' جس نے شیرو کے اغوا کا پول کھولا تھا' مجھے آج بھابھی نے وہ قصہ سنایا...''

''میں بدل گئی ہوں!'' آنسو اس کے گال پہ لڑھکے۔ زمر آزردگی سے مسکرائی۔

''جس دنیا سے میں تعلق رکھتی ہوں' اس میں انسان نہیں بدلتے۔ بدل سکتے ہیں لیکن وہ نہیں بدلتے۔ صرف اپنے نقاب بدلتے ہیں' سو تم واقعی کچھ بھی نہیں کر سکتیں' اگر خود سے بھاگتی رہو گی۔''

''میرے اندر بہت سارا شر ہے۔'' اس نے سر جھکا دیا۔

''تم اس کو نہیں بدل سکتی۔ سو اس کو اپنی طاقت کیوں نہیں بنا لیتی؟'' ذرا دیر کو ٹھہری۔ گردن پھیر کر اس مقفل اسٹور روم کو دیکھا۔ پھر سر جھٹکا۔ ''مجھے دیکھو، میں بے جا ضدی اور ہٹ دھرم ہوں' جب اپنی فطرت نہیں بدل سکی تو یہ احساس ہوا کہ اگر میں ایسی نہ ہوتی تو پراسیکیوشن کی سیاسی کرسی پہ دو دن بھی نہ بیٹھ سکتی' سعدی کے مجرموں کے آگے گھٹنے ٹیک کر ان کو معاف کر چکی ہوتی' مگر اب... میری وہی بری چیزیں میرے کام آ رہی ہیں۔ تم بھی یہ کر سکتی ہو' مگر اس کے لئے تمہیں اس کیڑے کو باہر نکالنا ہو گا جو تمہیں اندر سے کھا رہا ہے۔''

تہہ خانے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر حنہ نے نگاہیں جھکا دیں۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرش پہ بیٹھی تھیں۔

''آپ مجھ سے نفرت کریں گی!''

''ٹرائی می!'' ذرا توقف کیا۔ جیسے کوئی راہ نکالی۔ ''آج ہم ایک دوسرے سے باری باری سچ بولتے ہیں۔ پہلے میں بولوں گی!''

حنہ نے اثبات میں سر ہلایا' پھر خود ہی بولی۔ ''مجھے پتہ ہے آپ بھائی کی فیس دیتی تھیں' مجھے ماموں نے بتایا تھا' اس رات جب امی سے لڑائی کے بعد آپ جنگل میں چلی گئی تھیں۔'' نگاہیں جھکا دیں۔ ''آئی ایم سوری۔'' زمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''ہم یہاں سوری اور تھینک یوز کے لئے نہیں بیٹھے۔ سچ بولنے بیٹھے ہیں۔'' (ماموں کی طبیعت تو وہ بعد میں صاف کرے گی!) اس کے سامنے' فرش پہ بیٹھی' وہ لٹ انگلی پہ لپیٹتے کہہ رہی تھی۔ ''میرا سچ یہ ہے کہ میں نے فارس کے رشتے سے انکار نہیں کیا تھا' امی نے کیا تھا' مجھے اس رشتے کی خبر اس دن تمہارے منہ سے ہوئی' اور مجھے لگا فارس نے مجھ پہ گولی انتقاماً چلائی تھی۔'' زمر نے آنکھیں بند کیں۔ تکلیف پھر سے عود آئی تھی۔ ''اسی لئے میں نے اس سے شادی کی' اس سے انتقام کے لئے' مگر میں اس کو کوئی مادی نقصان نہیں پہنچا سکی' کیونکہ میں نے سعدی سے وعدہ کیا تھا کہ اسے ہرٹ نہیں کروں گی۔'' آنکھیں کھولیں۔ اداسی سے مسکرائی۔ حنہ بالکل شل اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے شک تھا' مگر اس نے اتنا سب کچھ نہیں سوچا تھا۔

''اب تمہاری باری!''

حنین نے نگاہیں جھکا دیں۔ ''میں ہاشم سے بات کرتی ہوں' ٹیکسٹ پہ' کال پہ۔ میں ان کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہوں' اور یہ دن بدن جان لیوا ہوتی جا رہی ہے۔'' بہت دیر بعد نظریں اٹھائیں تو زمر اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی ملامت، نہ حیرت۔

''تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو' یا تم یہ تعلق ختم کرنا چاہتی ہو؟''

''میں اسے ختم کر دوں گی' مجھے پتہ ہے ہم کبھی شادی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مجھ سے اس فلیش کے بارے میں جھوٹ بولا، تب سے میں نے ان سے بات نہیں کی۔ میں بہت ڈسٹرب ہوں۔'' آنسو ابل ابل کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''تمہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ مگر تم جو بھی فیصلہ کرو گی' میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔'' اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔ کوئی غصہ، کوئی ڈانٹ' کچھ بھی نہیں۔ حنہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔ ''آپ کی باری!''

''ویل....'' زمر نے گہری سانس لی اور سر جھکایا۔ فرش پہ انگلی سے لکیر کھینچی۔ ''مجھے سعدی کے لیپ ٹاپ سے جو پکچرز ملیں' وہ میں نے فارس کو نہیں دکھائیں' وہ پکچرز فارس نہیں لے سکتا' ایسی پکچرز Trophy collector لیتے ہیں۔ (وہ قاتل جو اپنے شکار سے وابستہ کوئی شے اپنے پاس رکھتے ہیں۔) اس لئے میں ان کی تحقیق کروا رہی ہوں' مگر حنین میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ اتنے سالوں بعد اگر وہ بے گناہ نکل آیا... تو مجھے یہ چیز مار ڈالے گی۔'' اس کی آنکھوں میں کرب اترا۔ ''پتہ ہے کیا' میرا ایک حصہ چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ نہ نکلے۔ مگر دوسرا حصہ سچ جاننا چاہتا ہے!'' چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کیا' پھر حنہ کی طرف دیکھا۔ ''تمہاری باری!''

حنین فارس کے حق میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر رک گئی۔ وہ جج کرنے کا وقت نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

''میں نے کسی کی جان لی ہے۔'' پھر زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ متوجہ تھی۔ ''میں سن رہی ہوں۔''

''میرے بورڈ کے اوسی پی میری فرینڈ کے ابو تھے....'' وہ کہتی گئی' ساری تفصیل' ساری باتیں سناتی گئی.... ''اور جب میں ان کو بلیک میل کر رہی تھی تو پھپھو میں اپنی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی' شاید میں زمر بننے کی کوشش کر رہی تھی' مگر میں غلط تھی۔ آپ بہت سے لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں، مگر چیٹینگ جیسے کام کے لیے....'' پہلے دن سے لے کر ان کی موت تک اس نے سارا واقعہ سر جھکائے کہہ سنایا۔ وہ ٹوٹی بکھری نظر آ رہی تھی۔ بار بار آنسو پونچھتی۔ پھر نگاہیں دھیرے دھیرے اٹھائیں۔ اب زمر اسے کیا کہے گی؟ ''تم ایسی شرمناک حرکت کیسے کر سکتی ہو حنہ؟'' وہ یوں چلائے گی؟ یا وہ نرمی سے کہے گی۔ ''تم نے معافی مانگ لی' توبہ کر لی جو ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔'' مگر زمر کچھ نہیں بولی۔ حنین کی آنکھوں میں بے قراری ابھری۔

''پلیز کچھ تو کہیں۔ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' آنسو پھر سے ٹپکنے لگے۔

''تمہیں سن کر افسوس ہوگا۔''

''نہیں' میں سن لوں گی' آپ کہیں' جو بھی آپ کے دل میں ہے۔'' گیلے چہرے کے ساتھ وہ بولی۔ وہ واقعی تیار تھی۔

''حنہ' میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہاری کہانی بہت کمزور ہے۔''

''جی؟'' حنہ کا ہکا بکا منہ کھل گیا۔ آنسو رک گئے۔

''یا تو تم مجھے پوری بات نہیں بتا رہی ہو' یا پھر تمہاری کہانی میں بہت سے جھول ہیں۔''

''میں.... میں سب سچ بتا رہی ہوں' آئی سوئیر!'' وہ حیران تھی۔

''مجھے پتہ ہے تم سچ کہہ رہی ہو مگر مجھے یہ بات ناقابل ہضم لگ رہی ہے کہ ایک او سی پی' جو اتنے سال سے اس پوسٹ پہ تھے' انہوں نے تمہارے چند فقرے سن کر' گھٹنے کیسے ٹیک دیے؟''

''کیونکہ میں نے بتایا نا، میری ویڈیو والی دھمکی سے ان کی فیملی....''

''حنین ساری دھمکیاں فیملی سے ہی شروع ہوتی ہیں۔ او سی پی صاحب کو اتنے برسوں میں کیا کبھی کسی نے دھمکایا نہیں ہوگا؟ یا پیسوں کا لالچ نہیں دیا ہوگا؟ ایسی پوسٹ پہ موجود لوگ بہت ٹرینڈ اور تجربہ کار ہوتے ہیں، ان کو بلیک میل کو ٹیکل کرنا اچھے سے آتا ہے، اور تمہارے بقول وہ بہت ایماندار بھی تھے' تو انہوں نے اتنی آسانی سے تمہیں پیپرز کیسے دے دیے؟ ایک ادھیڑ عمر کا سرکاری آفیسر' ایک اٹھارہ سالہ بچی کے آگے چند منٹ میں ڈھیر کیسے ہو سکتا ہے؟''

''بھائی نے بھی یہی کہا تھا مگر بھائی کا کہنا تھا کہ وہ بزدل تھے' ان کو اللہ پہ بھروسہ کرنا چاہیے تھا اور....'' وہ الجھن سے کہہ رہی تھی۔ زمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''سعدی کو تو رہنے دو۔ وہ تو آئیڈیلسٹ ہے' مگر میں پریکٹیکل ہوں۔ اور میرا نہیں خیال کہ تمہیں خود بھی پورا قصہ معلوم ہے۔'' وہ نرمی اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔ اور حنین حیران پریشان بیٹھی تھی۔ اس کو ملامت کی امید تھی' یا ڈھارس بندھانے کی' مگر.... زمر اتنی پریکٹیکل کیوں تھی؟ وہ پہلے سے زیادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

''شاید تمہیں حنین پورا قصہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس بات پہ سوچنا۔ اب سو جاؤ' ہم صبح بات کریں گے۔'' وہ مسکرا کر کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حنہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ سیڑھیوں تک گئی تھی جب حنین نے پکارا۔

''آپ کو مجھ پہ ذرا بھی غصہ نہیں آیا' ہاشم والی بات سن کر؟'' زمر مڑی تو دیکھا، حنین پشیمان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زمر نرمی سے مسکرائی۔

''اس میں غصے والی کیا بات ہے؟ اب سو جاؤ۔'' اور زینے چڑھتی گئی۔ اوپر آ کر لاؤنج کا دروازہ بند کیا تو چہرے کے تاثرات بدلے۔ جبراً پرسکون' نارمل رکھا چہرہ غم و غصے میں ڈھلتا گیا۔

''اس گھٹیا آدمی کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ حنین کو یوں ایکسپلائٹ کرے؟ اس نے اپنی عمر نہیں دیکھی؟'' وہ غصے سے کھولتی لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ ''اگر فارس کو پتہ چلا تو ہاشم کی جان لے لے گا۔ حنین تو کم عمر ہے' ناسمجھ ہے' مگر ہاشم' وہ اس کی فیلنگز کے ساتھ کیوں کھیل رہا ہے؟ تمہیں تو میں اچھا سبق سکھاؤں گی ہاشم!'' وہ جو سوچ رہی تھی' اس کے چہرے پہ حرف بہ حرف اترتا جا رہا تھا۔ فارس اوپر سے سیڑھیاں اترتا آیا تو ایک نظر اسے دیکھا جو غصے سے کھولتی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ پھر کچن میں گیا۔ پانی کی بوتل فریج سے نکالی اور واپس آیا، اس کے قریب رکا۔

''کیا ہوا ہے؟''

اس نے خفگی سے فارس کو دیکھا۔ ''مجھ سے بات مت کرو۔ مجھے غصہ آیا ہوا ہے۔''

''آپ کو چوبیس میں سے پچیس گھنٹے غصہ آیا رہتا ہے، پانی پئیں، اور چند منٹ کے لیے کنٹرولڈ، ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہو جائیں۔'' بوتل سامنے رکھی اور اوپر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ زمر نے تلملا کر اسے جاتے دیکھا۔ (یہ مجھے میرے الفاظ لوٹا رہا تھا؟ ہاں؟ بہت بولنا نہیں آ گیا اس کو میرے آگے؟)

اور ساتھ والے قصر میں نوشیرواں' بیڈ پہ بیٹھا' سفید سا پاؤڈر (آنکھیں بند کیے) ناک سے سانس کی صورت اندر اتار رہا تھا۔ سیاہ رات ایک دفعہ پھر سب کے گناہ اور سب کے راز چھپائے' تاریک ہوتی جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے ..... کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

سینڈکلر دیواروں والا کمرہ خاموش تھا۔ سعدی بیڈ پہ ٹیک لگا کر لیٹا تھا۔ دفعتاً دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور دروازے کی اوٹ میں آ کھڑا ہوا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ اب بہت کم تھی۔

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر مایا اندر داخل ہوئی۔ خالی کمرہ دیکھ کر وہ رکی' گارڈ سے کچھ کہا تو گارڈ تیزی سے اندر آیا۔ اسی پل سعدی اوٹ سے نکلا' اور گارڈ پہ جھپٹا۔ گارڈ تیار نہیں تھا' قدرے لڑکھڑایا۔ باہر سے دو مزید گارڈ اس طرف لپکے' اور کھینچ کر سعدی کو اس گارڈ سے علیحدہ کیا اور بیڈ پہ پٹخا۔

''آہ!'' اس کے کسی زخم پہ کسی کا ہاتھ پڑا تھا۔ دہرا ہو کر بیڈ پہ گرا' وہ کراہا تھا۔ گارڈ غصے میں بول رہے تھے' مگر ڈاکٹر مایا تیزی سے آگے آئی۔

''اس کو باندھنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ ٹھیک ہے' میں سنبھال لوں گی' تم لوگ جاؤ۔'' ان کو اشارہ کیا' تو وہ قدرے پس و پیش کے بعد باہر چلے گئے۔ سعدی اب سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ درد سے آنکھیں بار بار میچتا۔ وہ اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھی۔

''یہ کیا حرکت تھی؟'' وہ جواب دیے بنا سیدھا ہوا' اور ٹیک لگا کر بیٹھا۔ پاؤں اوپر کیے۔

''اس جگہ یہ واحد گارڈز نہیں ہیں' یہاں قدم قدم پہ پہرے ہیں' تم اس طرح یہاں سے نہیں بھاگ سکتے۔'' آواز آہستہ کی۔

سعدی نے اس کو دیکھا۔ پھر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

''میرے زخم ٹھیک ہو گئے ہیں' اب تو کوئی نرس بھی کافی ہے' تو تم کیوں ہر روز آ جاتی ہو؟''

''کیونکہ میں....'' اس نے بے بسی سے بند دروازے کو دیکھا' آواز مزید دھیمی کی۔ ''مجھے تمہاری فکر ہے۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔''

''اچھا واقعی؟ کس چیز کی مدد؟''

''یہاں سے نکلنے میں۔'' وہ بے بس نظر آ رہی تھی۔

''ڈاکٹر مایا!'' اس نے چبھتی ہوئی نظریں مایا پہ گاڑیں۔ ''کیا میری شکل سے یہ لگتا ہے کہ میں کل پیدا ہوا تھا؟''

''کیا مطلب؟'' وہ الجھی' سعدی اس کو گھورتے چبا چبا کر بولا۔

''اپنی اداکاری مجھ پہ ضائع مت کرو۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ تم میرے ساتھ گڈ کاپ کھیل رہی ہو۔ ہاشم میری ذہنی کیفیت اور ارادوں سے باخبر رہنا چاہتا ہے' اس لئے اس نے تمہیں کہا کہ ہمدردی کی آڑ میں تم میرا اعتماد جیتو' اور میرے فرار کے ہر طریقے کی مخبری کر کے اسے ناکام بناؤ، اس حد تک کہ میں اس قید کی زندگی سے کمپرومائز کر لوں' اور نکلنے کا ارادہ ترک کر دوں۔'' اور چہرہ پھیر لیا۔

مایا کے شاکڈ چہرے پہ دکھ کے تاثرات ابھرے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تمہیں اپنے ہمدردوں اور دشمنوں میں فرق کرنا ہی نہیں آتا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ مجھ پہ اتنے الزام لگانے سے پہلے تمہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے تھا۔ میں ایک غریب آدمی کی مجبور بیٹی ہوں' مگر تم اپنی تلخیوں سے نکلو گے تو تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔'' پھر ملامت بھری نگاہ اس پہ ڈالتی اٹھی۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

باہر آ کر مایا نے کچن کی طرف جاتے ہوئے ٹشو باکس سے دو ٹشو نکالے' آنکھیں رگڑیں، اور ساتھ ہی کچن میں دیوار پہ لگے فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہاشم کاردار کو ملا دو۔'' آپریٹر کو ہدایت دی۔ چند لمحے بعد ہاشم کی آواز ابھری تو وہ تیزی سے بولی۔

''سر، اسے شک ہو گیا ہے کہ آپ نے مجھے کس کام کے لیے رکھا ہے۔''

دوسری طرف بمشکل ہاشم نے ضبط کیا۔ ''ایک کام کہا تھا میں نے تم سے' کہ اس کو اٹریکٹ کرنے کی کوشش کرو' اتنا کہ وہ تمہیں اپنا بہترین ساتھی سمجھنے لگے' مگر نہیں.... تم سے یہ ایک کام بھی نہ ہو سکا۔''

''سر میں کوشش کر رہی ہوں۔ مگر وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتا۔ میری بھی ہر وقت روک ٹوک کرتی ہے۔ آپ میری ایجنیو کو میری جاب بتا کر اسے سمجھا دیں کہ ایسا نہ کیا کرے۔'' وہ اکتا کر کہہ رہی تھی۔

راہداری میں کھڑی میری نے رک کر ساری بات سنی اور پھر تیزی سے سعدی کے کمرے میں آئی۔ گارڈ نے دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا' وہ بستر پہ نیم دراز ہے۔ میری نے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے غصے سے گھورا۔

''کیا کہا ہے تم نے مایا سے؟'' سعدی نے نظریں اٹھائیں۔

''وہی جو تم نے مجھے بتایا تھا میری!''

''میں نے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں۔'' وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ ''تم ہمیشہ کہتی تھیں' مایا اچھی ہے' مایا اچھی ہے' مگر تم نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھی لڑکی ہے یا اچھی ڈاکٹر ہے' یونو' تمہارے تھپڑ کے بعد میں یہ جان گیا تھا' کہ تمہارا مطلب ہے' مایا اچھی Cop ہے۔ یونو، گڈ کاپ، بیڈ کاپ، اس تھپڑ سے تم نے میری توجہ حاصل کی، تھینک یو اس ٹپ کے لئے۔'' مسکرا کر سر کو خم دیا۔

میری کا رنگ ذرا بدلا' بے اختیار بند دروازے کو دیکھا' پھر جی کڑا کر کے بولی۔ ''پتہ نہیں کیا بولے جا رہے ہو' میں نے تمہیں کوئی ہنٹ نہیں دی' خود سے باتیں مت فرض کیا کرو۔'' غصے سے اسے ڈانٹ کر وہ واپس جانے کو مڑی۔ ''اور گارڈ پہ آئندہ حملہ مت کرنا، اس طرح تم بھاگ نہیں سکتے!''

اس کے جانے کے بعد سعدی نے سر جھٹکا۔ ''کس نے کہا کہ میں بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا؟'' اور اپنے نیچے سے وہ سگریٹ لائٹر نکالا جو اس نے گارڈ کی جیب سے نکالا تھا۔ گڈ جاب سعدی! اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا۔

.....❖❖❖.....

اسے گنوا کر اسے پھر پانے کا شوق دل میں یوں ہے محسن ..... کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

جب ہاشم نے فون رکھا تو وہ ایک ہوٹل میں چند افراد کے ساتھ بفے ٹیبل کے پاس کھڑا تھا۔ بات ختم کر کے وہ ان کے قریب واپس آیا اور سلاد کھاتے ہوئے گفتگو کو وہیں سے جوڑنے لگا جہاں سے مایا کی کال نے توڑا تھا۔

قریباً تین گھنٹے بعد جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا' تو اس کے سینے میں عجیب سی جکڑن ہو رہی تھی۔ یہ یقیناً سلاد تھا جس کی کوئی

ا ں یا خراب شے اسے لڑ گئی تھی۔ ایک لمحے کو اسے لگا' وہ گرنے لگا ہے' پھر دیوار کا سہارا لیا۔ سامنے فیونا کا حیران اور پریشان چہرہ نظر آیا' سب ملہ وشن میں ہو رہا تھا۔ آوازیں بند تھیں۔ نوکر بھاگ کر اس کی طرف آ رہے تھے۔ وہ سہارے کے لئے بڑھے ہاتھ جھٹکتا' لڑکھڑاتا ہوا کمرے لک آیا۔ کوٹ اس نے کہاں گرایا' جوتا کدھر اتارا' کوئی خبر نہیں۔ باتھ روم تک بمشکل پہنچا' واش بیسن پہ ہاتھ رکھے جھکا۔ بے حد تکلیف زدہ سی تے آئی۔ پھر پانی منہ پہ پھینکا۔ چہرہ اٹھا کر آئینے میں دیکھا تو رنگ نچڑا ہوا' اور آنکھیں نڈھال لگتی تھیں۔ آگے اسے ٹھیک سے یاد نہیں.... کب ہ پہ لیٹا... کب اس نے جواہرات اور ڈاکٹر کو اپنے سر پہ کھڑے بات کرتے سنا (ذرا سی فوڈ پوائزننگ ہے میم' صبح تک بالکل ٹھیک ہوں گے ار ار صاحب!) کب کمرے میں اندھیرا چھایا۔ کب روشنی ہوئی۔ وہ سوتی جاگتی کیفیت میں بستر پہ نڈھال لیٹا رہا۔

متلی کی سی کیفیت سے اس کی آنکھ کھلی.... چھت گھومتی دکھائی دے رہی تھی۔ کہنی کے بل ذرا سیدھا ہوا۔ کرسی پہ ایک فلپینو ملازمہ بیٹھی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ ہاشم نے ذرا ناگواری سے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ نہیں گئی تو بدقت مگر سختی سے بولا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔ جاؤ'' وہ متذبذب سی باہر نکل گئی۔

مگر وہ ٹھیک نہیں تھا۔ بمشکل اٹھ پایا۔ اور بے جان قدموں سے چلتا باتھ روم تک آیا۔ واش بیسن پہ جھکا۔ اسے بہت زور کی قے الی تھی مگر ایسے لگتا تھا جیسے اندر تک سب کچھ صاف ہو گیا ہو۔ بدقت منہ پہ پانی ڈالا۔ شرٹ اور کف بھیگ گئے۔ دیوار کو پکڑ پکڑ کر چلتا باہر نکلا۔ ہ لی جائے کا وَچ تک آیا اور نڈھال سا اس پہ لیٹ گیا۔ کروٹ کے بل' نیم مردہ سا۔ اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ اے ں ہا پنکھا آف کر پاتا۔ کروٹ کے بل لیٹے لیٹے' اس کی آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں۔ پلک جھپکتا' تو منظر صاف ہوتا' دوبارہ جھپکتا تو ہر طرف بادل ہ تے' کبھی کھڑکی بڑی ہو کر دکھائی دینے لگتی' کبھی پردوں کے ہلنے کی آواز سمندروں کی لہروں کے شور جتنی بلند ہو جاتی۔ ہر شے' ہر آواز کئی گنا بھاری محسوس ہو رہی تھی۔ شکلیں' ہیولے' بادل' سب آنکھوں کے آگے ناچ رہے تھے۔ ایسے میں ایک دفعہ اس نے پلک جھپکی تو کھڑکی کے آگے ہ ں روشنی نظر آئی۔ اتنی دودھیا روشنی کہ آنکھیں چندھیا جائیں' پھر اس روشنی میں سے ایک ہیولہ سا ابھرنے لگا۔

سفید لمبی میکسی میں ملبوس کوئی لڑکی.... اس سوتی جاگتی hallucinating (بیماری کے باعث غیر حقیقی چیزوں کا نظر آنا) سی یت' میں بھی اسے لگا کہ اس کی موت آ پہنچی ہے' وہ مرنے والا ہے اور وہ ملک الموت کا عکس ہے جو اس کی روح لینے آیا ہے.... اس نے دھندلی بصارت سے اس وجود کو قریب آتے دیکھا۔ اس کی میکسی پاؤں تک آتی تھی' اور سینے پہ بندھے ہاتھوں میں گلدستہ تھا۔ سرخ گلابوں کا۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر اوپر دیکھنا چاہا۔ دھندلا سا نظر آیا۔ اس کے چہرے کے گرد سرخ ریشمی اسٹول لپٹا تھا' جو کندھوں پہ اکٹھا ہو کر سامنے انگریزی حرف ''A'' کی طرح گرتا تھا۔ ہاشم نے نیم غنودہ سے انداز میں پلکیں جھپکیں۔ وہ قریب آئی۔ دودھ ملائی سا چہرہ' کرسٹل جیسی گرے آنکھیں' اور سرخ ہ ں پہ ہمدردی بھری مسکراہٹ۔ جھک کر وہ اس کے ساتھ پھول رکھ رہی تھی۔

"Get Well Soon, Grim Reaper!'' (جلد صحت یاب ہو' موت کے فرشتے!) مسکرا کر سرگوشی کی۔ وہ بول نہیں ا انہی ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ ملک الموت نہیں تھی، ملک الموت تو وہ خود تھا۔ اب وہ اس کے اوپر کوئی چادر سی ڈال رہی تھی۔ ہ م سردی لگنا بند ہو گئی تھی۔ ہاشم کی پلکیں بھاری ہو کر گر گئیں۔ بمشکل کھولیں تو کمرے میں روشنی ویسی ہی تھی مگر وہ غائب تھی.... اس کا دماغ نیند ں ا ہ تا گیا۔

جانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی۔ وہ آہستہ سے اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں شام کی نیلاہٹیں تھیں۔ بتیاں بجھی تھیں۔ وہ پسینے میں شرابور ا ۔ار ٹھنڈا تھا' اور حواس بہتر تھے۔ اٹھتے ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

نہ اس کے اوپر چادر تھی' نہ ساتھ پھول رکھے تھے۔ ہاشم نے بے حد کرب سے آنکھیں میچیں۔ (ایک باسی سلاد نے اسے اتنا بیمار کر ا ا۔ وہ اس بری طرح سے hallucinate کرنے لگے؟ ایسا تخیل؟ ایسا خواب؟) سر جھٹک کر وہ اٹھا اور باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ چند

منٹ بعد نکلا تو نہا کر ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ تکان ابھی تک چہرے پہ واضح تھی۔ سست قدمی سے چلتا باہر آیا۔

لاؤنج روشن تھا۔ جواہرات صوفے پہ بیٹھی' چائے پی رہی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر فکرمندی سے کپ رکھا۔

''تمہیں ابھی آرام کرنا چاہیے۔ اب کیسے ہو؟''

''بہتر!'' وہ اس کے ساتھ صوفے پہ آبیٹھا' اور پاؤں میز پہ رکھ لئے۔ آنکھیں موند لیں۔

''کیا کھالیا تھا؟ اتنے بیمار لگ رہے ہو۔ شیرواور میں بہت پریشان تھے۔'' اس کو بہتر دیکھ کر بھی جواہرات کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

ہاشم نے آنکھیں کھولیں' اور چھت کو تکنے لگا۔ ''میں نے ایک خوبصورت خواب دیکھا۔''

''اچھا۔'' وہ نرمی سے مسکرائی۔ ''کس کو دیکھا؟'' اب وہ صوفے پہ آدھی مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''تھی کوئی!''

جواہرات نے گہری سانس لی۔ ''اسے کال کرلو۔ ڈنر پہ بلالو۔ کتنے عرصے سے تم نے اس سے بات نہیں کی۔''

ہاشم نے آنکھیں بند کرلیں۔ ''میں مصروف تھا۔ اب بھی ہوں۔'' پھر سیدھا ہوا تو دیکھا' جواہرات اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں ممی' ہم اس بارے میں بات نہیں کرنے لگے۔ وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے' انوسینٹ ہے' میں نہیں چاہتا اسے کبھی میرے بارے میں وہ سب معلوم ہو۔ وہ گناہ جو میں نے کیے ہیں.... وارث.... زرتاشہ... وہ سب...'' اس نے سر جھٹکا۔

''کسی کو کبھی علم نہیں ہوگا' موو آن ہاشم!'' اس نے خفگی سے ٹوکا اور کپ اٹھالیا۔

ہاشم اٹھ گیا۔ ''میں تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر لیٹتا ہوں۔'' جواہرات خاموش رہی۔ جانتی تھی وہ موضوع سے بچنا چاہ رہا ہے۔

وہ کمرے میں آیا تو فیونا ساتھ ہی آئی۔

''فیونا' مجھے کافی لادو۔'' لائٹ جلاتے ہوئے اس نے کہا پھر رکا۔ ''میرا لیپ ٹاپ کہاں ہے؟''

''سر' سوری' مگر آپ کو کافی نہیں مل سکتی۔ آپ کا لیپ ٹاپ اور بریف کیس بھی مسز کاردار کے کمرے میں رکھ دیا ہے میں نے' اگلے دو دن آپ کو ڈاکٹر کے تجویز کردہ ڈائٹ پلان پہ عمل کرنا ہوگا۔ کوئی کام نہیں۔ صرف ریسٹ۔''

''تم ابھی اور اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔''

فیونا نے مسکراہٹ دبائی۔ ''تھینک یو سر' مگر آپ کو اپنی چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا' سوائے آپ کے سیل فون کے۔'' سائیڈ ٹیبل پہ دھرے فون کی طرف اشارہ کیا۔ ''ابھی جوس لاتی ہوں' اور پرہیزی کھانا۔'' مستعدی سے کہتی وہ ایڑیوں پہ گھومی۔ ہاشم مسکرا کر قدم قدم چلتا بیڈ تک آیا۔

''اور ہاں سر!'' وہ جیسے کچھ یاد کر کے واپس گھومی۔ ''میں نے پھول ادھر رکھ دیے تھے۔'' آتش دان کی طرف اشارہ کیا تو ہاشم نے چونک کر دیکھا۔ وہاں شیلف پہ گلدان میں سرخ گلاب رکھے تھے۔ ہاشم کی نظریں فوراً صوفے تک گئیں۔ صوفے کے قدموں میں گول مول کی ہوئی چادر پڑی تھی۔

(جو شاید اس نے نیند میں اتار دی تھی۔ تو وہ اس کا خواب نہیں تھا....)

''یہ کون لایا؟'' وہ متحیر سا آتش دان کے قریب آیا۔

''سر کسی لڑکی نے صبح آپ کے لئے کال کی تھی' میں نے بتایا آپ بیمار ہیں' تو وہ دوپہر میں آئی' نام نہیں بتایا' مگر نوشیرواں صاحب اس کو جانتے تھے' مسز کاردار اس وقت گھر پہ نہیں تھیں۔ میں نے اسے آنے دیا۔ آپ کو دیکھ کر اور یہ پھول رکھ کر وہ چلی گئی!''

''تم دوسری دفعہ اپنی نوکری سے فارغ ہوفیونا۔'' خفگی سے کہتا وہ پھولوں تک آیا' اور اندر لگا کارڈ نکالا۔ سفید سے کارڈ پہ سرخ روشنائی سے تحریر تھا۔

''Get Well Soon , Grim Reaper!''

اور نیچے چھوٹا سا لکھا تھا۔'' آبدار ہارون عبید!''

ہاشم ذرا سا مسکرایا۔ موبائل اٹھایا اور کانٹیکٹ لسٹ اوپر کی۔ ایک نام پہ رکا۔ Red Riding Hood۔ پہلے کال کا بٹن دبایا۔ پھر (اونہوں) کال کاٹی۔ اور میسج لکھا۔'' تھینکس' آبی!''

باہر سیڑھیاں اترتی فیونا' ساتھ سے گزرتے شیرو کو دیکھ کر رکی۔'' سر' دوپہر میں جولڑکی آئی تھی ہاشم صاحب کے لئے' اس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ کیا آپ اس کو جانتے تھے؟''

شیرو جو فون میں الجھا تھا' رکا اور تیز نظروں سے فیونا کو گھورا۔

'' آف کورس۔ وہ ہارون عبید کی بیٹی ہے۔ اور زہر لگتی ہے مجھے وہ۔ اب ہٹو سامنے سے۔'' اور برے موڈ کے ساتھ اوپر آیا۔

(ایک تو ہاشم بھائی کو وہی لوگ کیوں پسند آتے ہیں جو مجھے ناپسند ہوتے ہیں؟ ایک سعدی' اور ایک یہ فسادی! میں ابھی تک بھولا نہیں ہوں کہ کس طرح یونیورسٹی میں اس نے مجھے اپنے منگیتر سے پٹوایا تھا۔ ہونہہ!) منہ میں بڑبڑاتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

.....❖❖❖.....

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ ..... دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

ہاشم نے جب ٹیکسٹ بھیجا تو اس کے موبائل سے نادیدہ لہر نکلی اور اڑتی ہوئی ہوا میں بہتی چلی گئی۔ سڑکیں عبور کیں' گھر پھلانگے' اور بالآخر ایک سرسبز میدانوں سے گھرے اونچے محل میں تیرتی ہوئی آئی' ایک کھڑکی سے اندر کودی' اور اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے موبائل میں جا اتری۔ موبائل اسکرین میسیج ٹون سے چمکی اور بجھ گئی۔

وہ ایک وسیع و عریض سی اسٹڈی سی لگتی تھی۔ اس کے دروازے پہ نیم پلیٹ لگی تھی۔'' آبدار عبید۔ Hypnotheropist''۔ اندر دیکھو (اسی کھڑکی سے) تو اسٹڈی ٹیبل کی کنٹرول چیئر کی پشت نظر آتی تھی۔ سفید آستین میں ملبوس کہنی کرسی کے بازو پہ جمی تھی' اور سرخ اسٹول میں ڈھکا سر پیچھے سے دکھائی دیتا تھا۔ یہاں سے اس کا چہرہ تو نظر نہ آتا' البتہ سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' قیمتی سوٹ میں ملبوس درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا واضح دکھائی دے رہا تھا اور وہ قدرے الجھن سے کہہ رہا تھا۔

''تو آپ میرا علاج کیوں نہیں کر سکتیں؟''

سرخ اسکارف والا سر جیسے گہری سانس لے کر جھٹکا گیا۔'' مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا یہ کہتے ہوئے' مگر آپ کو سائیکاٹریسٹ کی ضرورت ہے' اور میں سائیکاٹرسٹ نہیں ہوں' نہ ہی سائیکالوجسٹ۔ یہ وہ ہوتے ہیں جو ذہنی مرائض کا علاج کرتے ہیں' نہ ہی میں میڈیکل ڈاکٹر ہوں جو کسی جسمانی بیماری کا علاج کر سکوں۔ میں hynotheropist ہوں۔'' اس کی آواز نرم اور سادہ تھی۔

''مگر....'' وہ الجھا۔'' نہ جسمانی نہ ذہنی' اگر دونوں کا علاج آپ کے پاس نہیں ہے' تو.... آپ کیا کرتی ہیں؟''

''میں hypnosis کے ذریعے آپ کو ایک بہتر ذہنی حالت میں لے جا سکتی ہوں' جہاں آپ خود کو ایک بہتر انسان کے طور پہ دیکھ سکتے ہیں' یہ سیلف امپروومنٹ کے لئے ہوتا ہے' بری عادتیں' اور بری یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے۔ اور اس کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔ میں ایک ریفر کر رہی ہوں۔'' قلم سے کاغذ پہ چند الفاظ گھسیٹے اور شڑپ سے پیڈ سے صفحہ اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔

''آپ ان سے مل لیں۔ یہ آپ کا بہترین علاج کریں گے۔''

ان صاحب نے تذبذب سے صفحہ تھام لیا۔''مگر....آپ کے والد نے مجھے کہا تھا کہ آپ بہت اچھی تھیراپسٹ ہیں۔''

''میں بہت اچھی تیراپسٹ ہوں، اسی لئے آپ کو ایمانداری سے بتا رہی ہوں کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔'' وہ صاحب اٹھے' چند الوداعی کلمات کہہ کر باہر نکل گئے۔ دروازہ بند ہوا تو اس نے کرسی موڑی' اب کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھو تو اس کا داہنا رخ نظر آتا تھا۔ وہی ملائی سا چہرہ، اور بلی جیسی گرے آنکھیں جن کے ابرو ناراضی سے بھنچے تھے۔ سرخ ہونٹ دانت سے کاٹتے' اس نے موبائل اٹھایا۔ ہاشم کا نیا نمبر سرسری سا پڑھ کر ایک کال ملائی۔

''امین.... بابا کہاں ہیں؟...نہیں، ان کو فون مت دو۔ بس اتنا بتا دو کہ ان کا بھیجا پانچ سو چھبیسواں مریض بھی میں نے واپس کر دیا ہے۔ اسی لیے اپنے سیاسی دوستوں کو میرے پاس نہ بھیجا کریں' اس امید پہ کہ ان کے سارے راز میں آپ کو بتا دوں گی۔ اور ہاں امین، یہ زور دے کر کہنا، کہ میں بہت بہت خفا ہوں۔'' نرم سی خفگی سے کہہ کر موبائل رکھ دیا۔ پھر وہ اٹھی اور دروازے کی طرف چلی گئی۔

اب تم کھڑکی سے ہٹ کر کھڑے ہو تو دیکھو گے کہ، چند لمحے بعد وہ اس اسٹڈی کے بیرونی دروازے سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں سبزہ زار دور دور تک پھیلا تھا۔ وہ ایک نظر سبزے پہ ڈالتی گھاس کے کنارے چلنے لگی۔ سادہ لمبا سفید فراک پہنے جس کے چوڑی دار آستین تھے' اور چہرے کے گرد سختی سے سرخ اسٹول لپیٹے۔ وہ چلتے ہوئے ہاتھ پودوں کے پتوں سے گزارتی جا رہی تھی۔ ایک سفید ایرانی بلی دور سے بھاگتی آئی اور اس کے قدموں کے برابر چلنے لگی۔

''سنو....بیلا۔'' اس نے خفگی سے بلی کو مخاطب کیا۔''میرا موڈ بہت خراب ہے' اور آج میں مزید کوئی کلائنٹ نہیں دیکھنے لگی۔'' ذرا آگے آ کر رکی۔ برآمدہ خالی تھا۔ کرسیاں بھی خالی تھیں۔ آبدار نے ''oops'' والے انداز میں بلی کو دیکھا۔ پھر جلدی سے کندھے اچکائے۔

''چلو اچھا ہوا۔ اور کوئی کلائنٹ ہے بھی نہیں' میں انکار کرتی تو برا لگتا نا ان کو۔'' بلی نے اس کے قدموں سے خود کو رگڑتے اس کے گرد چکر کاٹا۔ وہ پھر سے چلنے لگی۔

''ویسے تمہیں کیا لگتا ہے؟ بابا نے میری بات کا برا مانا ہوگا؟ مگر...اوہ نہیں بیلا۔'' وہ اداس ہوئی۔''امین (ڈرائیور) نے پوری بات بتائی ہی نہیں ہوگی ان کو۔ بابا سمیت کوئی بھی مجھے سیریس نہیں لیتا۔ سوائے میرے کلائنٹس کے۔ حالانکہ ان کو بھی مجھے سنجیدہ نہیں لینا چاہیے۔ اب میں دیکھنے میں کوئی پنو تھیراپسٹ تھوڑی لگتی ہوں؟ ایک تو میں نرم دل اتنی ہوں' اوپر سے کیوٹ بھی ہوں۔'' رک کر پوچھا۔''ہوں نا؟'' بلی جواب میں غاؤں غاؤں کرتی مسلسل اس کی ٹانگوں سے خود کو رگڑ رہی تھی۔

دور سے دو ملازموں نے دیکھا کہ وہ چلتی آ رہی ہے۔ جو ذرا ادھیڑ عمر تھا' وہ نوجوان ملازم کی طرف مڑا۔

''تم آبدار بی بی کو بتاؤ اپنے سارے مسئلے مسائل کا' جن کی وجہ سے تم کک (باورچی) نذیر کا قرضہ واپس نہیں کر سکتے۔ بی بی بہت ہمدرد اور مہربان ہے' تم ابھی ان کو نہیں جانتے' نئے ہو نا۔ وہ تمہیں کک سے مہلت دلا دیں گی۔'' ہمدردی سے مشورہ دیا۔ نوجوان ملازم کی ہمت بندھی۔ فوراً آگے گیا، جہاں وہ روش پہ چلتی آ رہی تھی۔

''آبدار میم!'' اس نے ہاتھ باندھے مودب سا پکارا۔ وہ رکی۔ نظر بھر کر اسے دیکھا۔

''آپ نے اس دن کہا تھا کہ کک سے لئے گئے پیسے جلد واپس کر دوں۔''

''ہاں غضنفر، وہ بے چارہ پہلے ہی اتنا غریب ہے، نرم دلی میں دے تو بیٹھا ہے لیکن ابھی اس کو سخت ضرورت ہے ان کی۔''

''وہ دراصل...'' سر جھکا کر بے چارگی سے بتانے لگا۔''میری بہن کی شادی قریب ہے' وہ سارے پیسے اس میں لگ گئے' پھر بھی کم پڑ رہے ہیں' والد میرے سرطان کے مریض ہیں' ڈاکٹر نے کہا کہ علاج کی منزل سے نکل چکے ہیں۔ دوا کا خرچہ بہت ہے۔ آپ پلیز

کک سے کہہ دیں' وہ ذرا مجھے مہلت دے دے۔ آج کل دو وقت کے کھانے کا خرچہ بھی پورا نہیں ہو پاتا ہمارے گھر کا۔'' وہ دکھ اور بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

آبدار کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔ دو قدم قریب آئی۔ ''اوہ ہو۔ آئی ایم سو سوری غضنفر۔ تمہارے تو بہت برے حالات ہیں' میں ابھی کک سے بات کرتی ہوں' نہ صرف وہ مہلت دے گا' بلکہ تم کہو تو میں تمہاری بہن کی شادی کے لئے پانچ دس لاکھ ارینج کر دوں؟'' اپنائیت اور ہمدردی سے پوچھ رہی تھی۔ ملازم غضنفر نے آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں امید کی خوشی تھی۔

''بی بی' یہ تو آپ کا احسان ہوگا۔''

''شیور۔ میں ایسا کرتی ہوں' کک کے پیسے بھی خود ہی ادا کر دیتی ہوں' اور تمہیں مزید رقم بھی دے دیتی ہوں۔ او کے؟'' وہ آگے بڑھی۔ پھر رکی۔ غضنفر فرطِ جذبات سے شکریہ بھی نہ کہہ پایا تھا جب وہ واپس گھومی۔

''مگر ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے غضنفر۔'' بہت ہی فکرمندی سے بتانے لگی۔ ''میں نے تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کروایا تھا' ایسا ہے کہ تمہاری کوئی بہن نہیں ہے' اور والد تمہارے دس بارہ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ تمہارے بینک اکاؤنٹ جس میں ہر ماہ تمہاری تنخواہ جاتی ہے' اس میں بھی کافی رقم ہے' اور کک کے پیسوں سمیت وہ تمام رقم تم نے اپنے ہمسائے کو دینی ہے' اس کی بیٹی سے شادی کے بدلے میں' سو یو نو واٹ! میرے محنتی اور ایماندار کک سے جو پیسے تم نے باپ کی بیماری کا کہہ کر ہتھیائے تھے نا' وہ ان کو کل صبح سے پہلے واپس ملنے چاہئیں' ورنہ.... اگر میں نے بابا کو بتایا تو....''

بہت ہی نرمی سے کہتے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مسکرائی اور مڑ گئی۔ ادھر غضنفر کے ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ ہکا بکا سا وہ ادھیڑ عمر ملازم کی طرف گھوما جس نے مسکرا کر مونچھوں کو تاؤ دیا۔

''بولا تھا نا' ابھی تم بی بی کو نہیں جانتا۔'' غضنفر نے تلملا کر اسے دیکھا تھا۔ (کک کا وفادار)

وہ اپنے قصر کی چار دیواری کے ساتھ قدم قدم چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔ بلی بھی ساتھ ہی تھی۔ دفعتاً ایک دروازے کے قریب وہ رکی۔ آنکھیں چمکیں۔ شرارت سے بلی کو ''شش'' چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں آگے آئی۔ کھلے دروازے سے گردن نکال کر جھانکا۔

وہ کیمپئن آفس کے طور پہ استعمال ہونے والا کمرہ تھا۔ دیواروں پہ کاغذ۔ چارٹس۔ ملٹی میڈیا۔ نوجوان ورکرز آگے پیچھے ٹہل رہے تھے' کوئی بول رہا تھا' کوئی کمپیوٹر پہ بیٹھا تھا۔ ان میں ذرا اونچے چبوترے پہ کھڑا' ٹی شرٹ اور پی کیپ والا نوجوان' جس کو وہ احمر شفیع کے نام سے جانتی تھی' کہہ رہا تھا۔

''فاطمہ' مجھے رات ایک دوست کے میموریل ڈنر پہ جانا ہے' پیچھے جب ہارون صاحب پرائم ٹائم میں انٹرویو دیں گے' تو تم میری جگہ ہو گی۔'' فاطمہ کے پیچھے کسی ورکر کو دیکھ کر اونچا بولا۔ ''یہ کیا ہے' رضا؟'' آبدار کی نظریں اس طرف گھومیں جہاں ایک لڑکا ہینگنگ ڈریس بیگ اٹھائے چلا آ رہا تھا۔

''سر' یہ عبید صاحب کا شلوار سوٹ ہے' یہ شو کے لیے بھیجا ہے ڈیزائنر نے۔'' وہ ہینگنگ بیگ میں لباس دکھا رہا تھا۔ احمر کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''ہرگز نہیں۔ وہ شلوار سوٹ میں مزید دراز قد لگیں گے' شو کے فارمیٹ میں تینوں سیاستدانوں کے سامنے میز نہیں ہو گی اور وہ کھڑے ہوں گے' مخالف والے چیمہ صاحب کو دیکھا ہے تم نے کتنے کمزور اور مخنی سے ہیں' ہارون صاحب ان کو bully کرتے نظر آئیں گے۔ اس کو بدل کر ٹو پیس تیار کرواؤ۔ ٹائی گہرے رنگ کی ہو۔ ان کو فائیٹر لگنا چاہیے' ڈکٹیٹر نہیں۔'' پھر اسی سنجیدگی سے فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا' تبھی دروازے میں گردن نکال کر دیکھتی لڑکی پہ نگاہ پڑی جو فوراً سے اوٹ میں ہو گئی۔ فاطمہ کو رکنے کا کہہ کر تیزی سے باہر آیا۔ وہ دیوار کے ساتھ

کھڑی تھی۔

''ہیلو احمر!'' اسے دیکھ کر سنبھل کر مسکرائی۔ ''میں فارغ تھی' سوچا کیمپئن کے لئے خود کو وولینٹیئر کر دوں۔ کوئی کام ہے میرے لئے؟'' معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

احمر نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔ ''نہیں مس عبید' آپ کے لئے کوئی کام نہیں۔ بلکہ آپ کے اس کمرے میں داخل ہونے پہ بھی میں پابندی لگانے جا رہا ہوں۔''

آبدار کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ ''سو روڈ۔ میں بابا کو شکایت کروں گی۔''

''پھر مجھے بھی بتانا پڑے گا کہ جب بھی آپ کیمپئن آفس میں آتی ہیں' کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہوتا ہے۔'' دانت پہ دانت جمائے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''کبھی میرے بیگ سے مرا ہوا چوہا نکلتا ہے' کبھی موبائل چارجرز ڈسٹ بن میں خود بخود جا پہنچتے ہیں' کبھی ہماری فائلز میں چھپکلی کی دم خود سے آ گرتی ہے۔''

وہ نظریں جھکا کر انگلیاں مروڑنے لگی' تو احمر نے چند ایک گہرے سانس لئے۔ ''مجھے پتہ ہے آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کے بابا کامیاب ہوں' کیونکہ اس صورت میں وہ آپ کو وقت نہیں دے پائیں گے' مگر اچھا ہوگا اگر آپ اپنے ریلیشن شپ کو بہتر بنانے پہ غور کریں' بجائے میرے کام میں ٹانگ اڑانے کے۔ سو..'' انگلی سے چوکھٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ باؤنڈری اب آپ کراس نہیں کریں گی۔''

آبدار کی تلملائی ہوئی نظریں اوپر اٹھیں۔ نروٹھے پن سے کچھ کہنے لگی تھی کہ احمر کی شرٹ دیکھ کر رکی۔ آنکھیں سکیڑیں۔

سفید شرٹ پہ بلیک اینڈ وائٹ ایک مسکراتے نوجوان کی تصویر بنی تھی' جس کے چھوٹے گھنگریالے بال تھے' اور اوپر ریاضی کا نشان hash tag ڈال کر لکھا تھا #SaveSaadi

''یہ کون ہے؟'' وہ اچنبھے سے بولی۔ احمر اپنی ساری تقریر کا رت جاتے دیکھ کر مزید جل گیا۔

''میرا دوست ہے' مسنگ ہے' اس کے میموریل ڈنر میں جانا ہے رات کو' اسی کے لئے پہنی ہے۔'' خفگی سے کہتا پلٹ گیا۔

آبدار الجھی سی کھڑی سوچتی رہی۔ (یہ کون تھا؟ کہاں دیکھا ہے میں نے اسے پہلے؟)

اس کی بلی اب بیٹھی اس کے پیر چاٹ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ..... اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

میموریل ڈنر ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کے بینکوئٹ ہال میں منعقد تھا۔ اندر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اسٹیج کے پیچھے دیوار گیر بینر لگا تھا' جس میں سعدی مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا' اور ساتھ #SaveSaadi لکھا تھا۔ وہی تصویر پرنٹ ہو کر ہال میں بیٹھے بہت سے لڑکے لڑکیوں کی شرٹس پہ چھپی تھی۔

احمر شفیع بھی اسی شرٹ میں کھڑا' سعدی کے دو منتظم دوستوں سے بات کر رہا تھا جب اس نے زمر کو اس طرف آتے دیکھا۔ وہ گھنگریالے بالوں کو جوڑے میں لپیٹے' قدرے عجلت میں لگ رہی تھی۔

''السلام وعلیکم احمر!'' پھر دوسرے لڑکے کو مخاطب کیا۔ ''تیسرے نمبر پہ تقریر میری بھتیجی کرے گی'.....او کے؟ اور اس کو آدھے پون گھنٹے کا ٹائم چاہیے گا۔ وہ سعدی کی بہن ہے آخر!''

''آ.....او کے مسز زمر!'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ احمر کچھ کہنے لگا مگر وہ مڑ گئی۔ اب وہ داخلی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے۔ سامنے سے ڈاکٹر ایمن اور ڈاکٹر توقیر چلے آ رہے تھے۔

''مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ لوگ آئے۔'' ان کو ریسیو کر کے وہ انہیں ان کی میز کی طرف لے آئی۔ ''بچے نہیں آئے آپ کے؟''

''وہ بہت چھوٹے ہیں مسز زمر' میموریل کی باتیں ان کے ذہنوں پہ ناخوشگوار اثر نہ ڈالیں' اس لئے ان کو نانی کی طرف چھوڑا ہے۔''

ڈاکٹر ایمن بتا رہی تھیں۔ زمر کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔ مگر جبراً مسکراتی رہی۔

''بالکل۔ ہر شخص کو اپنے بچے کو پروٹیکٹ کرنے کا حق ہے۔'' اور پھر جب مڑی تو مسکراہٹ غائب تھی اور آنکھوں میں شدید تکلیف تھی۔ اسی طرح چلتی وہ حنین کی میز تک آئی جہاں ندرت' سیم اور فارس بیٹھے تھے۔ فارس بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ زمر نے اس کے ساتھ خاموش نظر کا تبادلہ کیا' پھر حنین کے قریب جھکی۔

''تیسرے نمبر پہ وہ تمہیں اسٹیج پہ بلائیں گے۔ تمہیں تقریر کرنی ہے' وہ بھی چالیس منٹ کی۔''

''واٹ؟'' حنہ نے دہل کر اسے دیکھا۔ ''مگر میں اپنے بھائی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی کسی سے۔ آپ نے مجھے کہا تھا کہ مجھے کوئی تقریر وغیرہ نہیں کرنی ہوگی۔''

''مجھے نہیں پرواہ میں نے کیا کہا تھا۔'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔ ''مگر تمہیں اگلے چالیس منٹ اسٹیج پہ جا کر بولنا ہے' اور اتنا اچھا بولنا ہے کہ کسی کو میری اور فارس کی کمی محسوس نہ ہو۔ اب میں جا رہی ہوں۔ کوئی سوال نہیں۔'' فارس اتنا سن کر اٹھ کر بیک اسٹیج کی طرف جانے لگا۔

وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ حنین سے کچھ بولا نہیں گیا۔ ''مگر... میں کیا کہوں گی؟''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ خود سوچو۔'' رسان سے کہہ کر وہ اٹھ آئی۔

وہ کار میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے اندر بیٹھتے ہی بے چینی سے بولا۔ ''میں اکیلا کر لیتا سب' آپ کو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''میں تمہاری مدد کے لئے نہیں آ رہی۔'' اور زور سے دروازہ بند کیا۔

اندر چند منٹ تو حنین یونہی بیٹھی رہی۔ پھر جب اس کا نام پکارا گیا تو اس نے بہت سی نظریں خود پہ اٹھتی محسوس کیں۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی ڈائس تک آئی۔ نم ہوتے ہاتھوں سے مائیک سیدھا کیا۔ ایک نظر اس بھرے ہال پہ ڈالی جس میں ہر عمر کے افراد' سول سوسائٹی کے اراکین' طلباء' کچھ رشتے دار' سب بیٹھے تھے۔ دل کانپا۔ نگاہ جھکا دی۔ چند رسمی کلمات کہے' پھر رکی۔

''میں کوئی تقریر لکھ کر نہیں لائی' کیونکہ میں تقریر کرنا بھی نہیں چاہتی۔ عجیب سا لگتا ہے اپنے بھائی کے لئے تقریر کرنا' رسمی جملے کہہ کر' چند آنسو بہا کر' تالیاں سمیٹنا۔'' جھکی آنکھوں سے سر جھٹکا۔

''پاکستان میں ہر سال ہزاروں لوگ قتل کیے جاتے ہیں' بم دھماکوں میں' ٹارگٹ کلنگ میں۔ اور ہزاروں اغوا کیے جاتے ہیں۔ کچھ مار دیے جاتے ہیں' کچھ تاوان لے کر چھوڑ دیے جاتے ہیں' مگر چند لوگ... چند لوگوں کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ وہ شہریار تاثیر ہو' فرزند یوسف رضا گیلانی ہو' یا سعدی یوسف ہو۔ ان کے اغوا کار برسوں ان کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے گھر والوں کو روز مارتے ہیں...''

جھکی نظروں سے ڈائس کی سطح پہ دیکھا۔ وہاں میموریل کا پمفلٹ رکھا تھا۔ سعدی کی تصویر۔ اس کو دیکھ کر بہت کچھ یاد آنے لگا۔

''ہم عام بہن بھائیوں جیسے تھے۔ امی کو تنگ کرتے تھے بہت۔ وہ فون پہ کبھی کسی خالہ ممانی سے کسی کی غیبتیں کر رہی ہوتیں تو بھائی پارتا' امی یہ غیبت ہے' اور امی غصے سے جوتا اٹھا کر پھینکتے ہوئے کہتیں' ''میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔'' چہرہ جھکائے وہ ذرا سا ہنسی۔ ہال میں بھی نم سی ہنسی گونجی۔ ''امی سارا دن ہم بہن بھائیوں کو برا بھلا کہتی تھیں' اگر کبھی کسی رشتے دار کے سامنے ہماری تعریف کرتیں تو بھائی کہتا' حنہ تمہیں نہیں لگتا کہ امی جھوٹ بول رہی ہیں؟'' نظریں اٹھائیں تو دیکھا۔ سامنے بیٹھی ندرت اور سیم مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ آنکھیں نم تھیں۔ وہ پھر پلکیں جھکا کر کہنے لگی۔

''بھائی اور میں اکٹھے اسکول جاتے تھے۔ پانچ سال کا فرق تھا ہم میں۔ دو بجے چھٹی ہوتی' دو بیس پہ ہم گھر پہنچتے۔ آتے ساتھ یہی بے چینی ہوتی کہ آج کھانے میں کیا پکا ہوگا؟ بھاگ کر دیگچی کا ڈھکن اٹھاتی۔ جس دن گوبھی یا کریلے ٹنڈے ہوتے' بس اس دن مجھے لگتا میں امی کی لے پالک اولاد ہوں۔'' مسکرا کر سر جھکائے' وہ کہہ رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر سب ہنسے تھے۔

''خیر' پونے تین تک نہا دھو کر کھانا کھا کر میں جلدی سے سونے لیٹ جاتی' معلوم تھا کہ بمشکل آنکھ لگے گی ہی کہ... تین بجے... وہ چنگھاڑتی ہوئی آواز اٹھا دے گی۔ جی ہاں۔ قاری صاحب کی گھنٹی کی آواز۔ اف۔''

ہال میں زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ (اور وہ سمجھتی تھی صرف اسی کے گھر قاری صاحب تین بجے آتے تھے۔)

''میں روز تین میں سے پانچ منٹ پہلے دعائیں' منتیں شروع کرتی' اللہ کرے قاری صاحب آج نہ آئیں۔ بارش ہو جائے۔ بیمار ہو جائیں۔ کبھی تین سے پانچ منٹ اوپر ہو جاتے اور گھنٹی نہ بجی ہوتی' تو میں اتنی خوش ہوتی' مگر' عین اسی وقت گھنٹی بج جاتی۔ اف۔ بہت تپ چڑھتی تھی۔ لیکن کبھی.... سال میں ایک آدھ بار... وہ سرپرائز چھٹی کر بھی لیتے۔ اس خوشی کا کوئی ثانی نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی کبھی لگتا ہے کہ اسی طرح ایک دن بھائی گھر آجائے گا۔ سرپرائز۔ اس خوشی کا بھی کوئی ثانی نہیں ہوگا۔''

جھکے چہرے پہ آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے' مگر اس کی آواز ہموار تھی۔ ہال میں پن ڈراپ سائیلینس تھا۔ ڈاکٹر ایمن جذبات سے عاری چہرہ لئے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر توقیر بار بار پہلو بدلتے تھے۔

''مگر پتہ ہے کیا...'' وہ کہہ رہی تھی... ''بھائی قاری صاحب کے آنے پہ میری طرح نہیں چڑتا تھا۔ میں غصے سے قاری صاحب کی برائیاں کرتی۔ کہتی' بھائی یہ غلط فتوے دے دیتے ہیں' کبھی کہتے ہیں یہ حرام' کبھی وہ حرام۔ یہ مولوی اتنے تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں؟ ایک دن بھائی نے مجھے صوفے پہ بٹھایا اور بولا۔ ''حنہ پتہ ہے' مولوی کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی معمولی تعلیم ہوتی ہے' مسجد کے ایک حجرے میں رہتا ہے' چار پانچ بچے ہوتے ہیں' اور اتنی کم تنخواہ جس میں ہم ایک ڈنر کر لیں۔ وہ اس میں پورا مہینہ گزارتا ہے۔ بچوں کو پڑھاتا ہے۔ دو وقت کی روٹی کی فکر بھی کرتا ہے' اس کو کہاں ملے ذہن کھلا کرنے کے مواقع؟ مدینہ یونیورسٹی یا گلاسکو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی نہیں کی ہوتی اس نے۔ یہ جو سوٹڈ بوٹڈ بہترین اسلامک اسکالرز بڑے بڑے سیمینارز اور فورمز پہ لیکچر دیتے ہیں' ریسرچ پیپرز نکالتے ہیں' نہ ان جیسا ذہن ہوتا ہے اس کا' نہ اتنے مواقع ملے ہوتے ہیں۔ وہ تو منہ اندھیرے اذان دیتا ہے' لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتا ہے' رمضان میں تراویح پڑھاتا ہے' بچوں کو قرآن پڑھنا سکھاتا ہے۔ اس کی انکم دیکھو' اس کے حالات اور اس کا پسِ منظر تو دیکھو' پھر اگر وہ تنگ نظر ہے' سخت فتویٰ دے دیتا ہے' تو کیا تم لوگ اس کی ان باتوں کو' اس کے ان سارے احسانات کے پیشِ نظر جو وہ تم لوگوں پہ کرتا ہے' اگنور نہیں کر سکتے؟ کیا اس کے حلوے کی پسندیدگی پہ لطیفے بنانا ضروری ہے؟'' مگر میں نے پھر بھی کہا۔ جو بھی ہے بھائی' تین بجے آنا کوئی انسانیت نہیں ہے!'' ہلکا سا ہنسی تھی وہ... سب سن رہے تھے اسے۔ غور سے خاموشی سے اور وہ بولتی جا رہی تھی۔۔۔ اس کے اندر کا کھاتا کیڑا دم توڑنے لگا تھا۔

ضبطِ غم نے اب تو پتھر کر دیا ورنہ فراز!
دیکھتا کوئی کہ دل کے زخم جب آنکھوں میں تھے

ان سے دور' نیم اندھیر کالونی میں ایک بنگلے کے سامنے' چار دیواری کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا۔

''ان کا گارڈ نہیں ہے کیا؟'' ساتھ کھڑی زمر نے پوچھا تھا۔

''اونہوں، آج کل ان کا گارڈ ہسپتال کی عمارت میں ہوتا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے گیٹ کے لاک میں پک ڈال کر گھما رہا تھا۔

زمر نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ ''کسی دن ہم عدالت میں کھڑے اس لمحے کی بات کر رہے ہوں گے' اور میں چاہتی ہوں کہ خود کو perjure کیے بغیر (کٹہرے میں جھوٹ بولے بغیر) کہہ سکوں کہ تمہیں کبھی کچھ الیگل کرتے نہیں دیکھا۔''

گیٹ کھل گیا، وہ ان سنی کرتا اندر بڑھ گیا۔ زمر پیچھے آئی۔ باہر لگی نیم پلیٹ جگمگا رہی تھی۔

ڈاکٹر توقیر بخاری۔ ڈاکٹر ایمن بخاری۔

''کالونی میں ایک ہی سی سی ٹی وی کیمرہ ہے' جس کو میں نے دوپہر میں ڈس ایبل کر دیا تھا۔'' وہ گھر کے اندرونی دروازے کے سامنے بیٹھا' اور ایک ننھی سی پک pick لاک میں گھساتے بولا۔ زمر سینے پہ بازو لپیٹے ساتھ کھڑی' اسے دیکھے گئی۔

''کسی کے گھر کا لاک توڑنا' کسی کی پراپرٹی پہ ٹریس پاس کرنا' مجھے یقین نہیں آ رہا میں ایسے کام میں ملوث ہو رہی ہوں۔ تمہیں پتہ ہے ٹریس پاسنگ کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟'' وہ جھرجھری لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''ایکسٹورشن (بلیک میلنگ) کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟'' وہ اسی سنجیدگی سے پک کو کی ہول میں گھسائے باری باری لاک کی pins دھکیلنے لگا۔ زمر کلس کر چپ ہو گئی۔

وہ ایک ایک پن دھکیل رہا تھا۔ یوں جیسے پیانو کی کیز پہ انگلیاں چلا رہا ہو، اور جو تال اٹھی تھی، اس نے اندھیرے میں ایک منظر اس کے سامنے لہرا دیا....

''ندرت بہن بھی چابی کدھر کھو بیٹھیں' اور آپ نہ ہوتے تو ہم آج گھر کے باہر رات گزارتے ماموں۔'' وہ چھوٹے باغیچے والے گھر کے دروازے پہ کھڑے تھے' فارس پنجوں کے بل بیٹھا' لاک میں pick گھسا رہا تھا اور کم عمر سعدی ستائشی انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''ویسے بغیر چابی کے کیا کوئی لاک اتنی آسانی سے کھل سکتا ہے؟''

''ابھی دنیا میں وہ لاک نہیں بنا جو توڑا نہ جا سکے۔ ادھر غور سے دیکھو' میں یہ کیسے کر رہا ہوں۔''

''میں سیکھ کر کیا کروں گا؟'' کم عمر لڑکے نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ فارس نے سر اٹھا کر تند ہی سے اسے دیکھا۔

''کبھی کہیں لاکڈ ہو جاؤ تو باہر تو نکل سکو گے۔ اب دیکھو...'' وہ بتانے لگا۔ ''یہ سمپل لاک ہے۔ چھے pins ہیں اندر۔ اس کی چابی کے ایسے دانت ہوتے ہیں جو اندرونی سانچے میں فٹ ہو جاتے ہیں' تم چابی گھماؤ تو pins آگے سرک جاتی ہیں اور لاک کھل جاتا ہے۔'' سعدی ساتھ بیٹھ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ ''یہی کام تم چابی کی جگہ اس سادہ pick (ننھی سی لوہے کی اسٹک) سے بھی کر سکتے ہو۔ باری باری ہر پن کو سرکاتے جاؤ، ون' ٹو' تھری....'' اس کی انگلیاں مہارت سے چل رہی تھیں۔ ''فور' فائیو' سکس' کلک!''

کلک کی آواز آئی' لاک کھلا' تو وہ چونکا۔ پیانو کی دھن غائب ہوئی۔ اردگرد منظر نامہ بدلا۔ وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ (امید کرتا ہوں سعدی کہ جو کچھ میں نے تمہیں سکھایا تھا وہ تمہیں یاد ہو۔) دونوں ساتھ ساتھ اندر آئے۔

''میں اپنا کام کرتا ہوں' آپ تب تک بیڈروم میں جا کر ان کے دراز وغیرہ چیک کریں۔'' وہ بیگ کندھے سے اتارتا ڈرائینگ روم کی طرف جاتے کہہ رہا تھا۔ زمر نے رک کر اسے دیکھا۔

''مجھے آرڈر مت دو۔ مجھے پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔''

فارس نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ''بہت بہتر!'' اور آگے بڑھ گیا۔

وہ بیڈروم میں آئی۔ چند منٹ لگے اسے تمام دراز' الماریوں کے کاغذات دیکھنے میں۔ فارس کی دی گئی چابیوں میں سے کوئی نہ کوئی چابی ہر دراز اور لاکر میں لگ رہی تھی۔ چند ایک کی کیمرہ سے پکچرز لیں۔ پھر واپس ڈرائینگ روم کی چوکھٹ تک آئی تو وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا' اپنا کام کر رہا تھا۔

اسے مصروف دیکھ کر زمر اس کھلے سے اسٹڈی روم میں آئی جو ڈاکٹر ایمن کے ہوم کلینک کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ اندر آتے ہی وہ تیزی سے الماریوں کی طرف لپکی۔ جس شے کی اسے تلاش تھی' وہ ڈھونڈنے میں چند منٹ لگے۔ ایک الماری' جس میں درازوں کی طرح

خانے تھے‘اس میں پیشنٹ نوٹس رکھے تھے۔فائلز اور آڈیو سی ڈیز۔

''جی۔۔جی۔۔جی۔'' وہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے آرگنائزڈ فائلز پہ انگلی پھیرنے لگی۔ پھر رکی۔ای ایف جی۔۔جی سے غازی۔فارس غازی۔اس نے فائل نکالی۔اندر چند سی ڈیز بھی تھیں۔

(اور ڈاکٹر ایمن نے کورٹ میں کہا تھا کہ اس نے کبھی غازی کے سیشن ریکارڈ نہیں کیے‘ مگر یہ جھوٹ تھا۔)اس نے باکس میں سے سی ڈیز نکال کر اپنے پرس میں منتقل کیں۔پھر ایک دوسرے مریض کی سی ڈیز اس باکس میں ڈال دیں اور اسے واپس فارس کے فولڈر میں رکھ کر دراز بند کرتی مڑی ہی تھی کہ....

''چلیں!'' وہ چوکھٹ میں کھڑا تھا۔زمر کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔کمرے میں نیم اندھیرا تھا پھر بھی وہ اس کا قدرے بوکھلایا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' غور سے اس کو دیکھا۔اس نے اس کو سی ڈیز نکالتے نہیں دیکھا تھا۔

''تم نے اپنا کام کرلیا؟'' وہ خود کو نارمل کرتی آگے آئی۔''میرا مطلب ہے‘ایک اور الیگل کام؟''

فارس کے لب بھنچ گئے۔''آپ آرہی ہیں یا آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں؟''

وہ اب تک نارمل ہوچکی تھی‘اس بات پہ سلگ کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔اور نیم اندھیرے میں چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہو کہ مجھے ادھر چھوڑ کر جا سکتے ہو؟''

فارس کے لبوں پہ مدھم مسکراہٹ رینگی۔

''اور آپ کے خیال میں، میں آپ کو ادھر چھوڑ کر کیوں نہیں جا سکتا؟''

وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں۔تم اپنی بیوی کو جان سے تو مار سکتے ہو‘ مگر اس کو یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی دو قدم آگے آئی۔''کیونکہ تم اپنے ابو کی طرح نہیں بننا چاہتے۔''

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی‘چہرے پہ سنجیدگی اتری۔''چلیں!'' اور بیگ کندھے پہ ڈالتا آگے بڑھ گیا۔وہ گہری سانس لے کر (شکر) اپنے پرس کو مضبوطی سے تھامے اس کے پیچھے آئی۔

اور حسبِ معمول کچھ دیر بعد وہ کار میں بیٹھے‘سرسری اور خشک انداز میں بات کر رہے تھے۔زمر اس کو بنائی گئی تصاویر دکھا رہی تھی۔

''تم نے جو ان کے بینک اکاؤنٹس کی ڈیٹیلز نکالی تھیں‘ان اکاؤنٹس کے علاوہ کوئی اور چیک بک نہیں نظر آئی مجھے۔میرا خیال ہے‘یہ ان کے واحد اکاؤنٹس ہیں۔''

''لیکن ان میں کوئی پیسے نہیں ٹرانسفر ہوئے۔سعدی والے واقعے سے اب تک۔مطلب کوئی لمبی چوڑی رقم نہیں۔بلکہ صرف نکلوائے گئے ہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔زمر نے ایک اور تصویر سامنے کی۔

''وہ جو ڈائمنڈ ٹاپس ڈاکٹر ایمن نے پہن رکھے ہیں‘ان کا اِن وائس بھی لاکر میں موجود تھا‘جو بڑی رقم نکلوائی گئی تھی‘وہ انہی کے لئے تھی۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا کہ سعدی کے بدلے انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو کچھ نہ دیا ہو۔کچھ تو دیا ہے کہ وہ مالی طور پہ اتنے بے فکر ہو گئے ہیں کہ مہنگے تحفے خرید رہے ہیں۔''

ہال آ گیا تھا، وہ کار کھڑی کرنے لگا۔یہ ہال پانچ منٹ کی ڈرائیو پہ تھا اور زمر کے کہنے پہ لڑکوں نے ڈاکٹر بخاری کی ہی ہاؤسنگ

ماٹی میں بک کروایا تھا۔

''فارس ہم کیوں یہ فرض کر رہے ہیں کہ ان کو صرف پیسے ہی دیے جا سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کچھ اور دیا ہو۔ کوئی فیور، کوئی سفارش۔''

''میں کل چیک کرتا ہوں۔'' وہ سر ہلا کر نکلنے لگی جب وہ آہستہ سے بولا۔

''میری بیوی نے آخری ملاقات میں آپ سے کیا کہا تھا؟''

زمر نے مڑ کر اسے دیکھا' اس کی نظریں ونڈ اسکرین پہ جمی تھیں۔ (آخری ملاقات؟) اس کے اندر ابال سا اٹھنے لگا جسے بمشکل دبایا۔

''یہی کہ وہ تم سے نفرت کرتی ہے' اور تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ بے بسی بھرے غصے اور عجلت میں کہتی نکل گئی۔ اسے دیر ہو رہی تھی' حنہ نے پتہ نہیں کیسے سنبھالا ہو سب۔ اور یہ کہتے ہوئے اس نے فارس کا چہرہ نہیں دیکھا جو ایک دم بہت ڈسٹرب لگنے لگا تھا۔

جب وہ ہال میں واپس پہنچا تو حنین' جو ابھی تک تقریر کر رہی تھی' ان کو باری باری آتے دیکھ کر جلدی سے ''ڈیٹس آل'' کہہ کر نیچے اتر آئی۔ ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ وہ اتنا اچھا بولی تھی کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ احمر شفیع بھی انہی میں سے ایک تھا۔ (ماننا پڑے گا، غازی کے خاندان میں کوئی نارمل نہیں ہے۔)

وہ واپس آ کر بیٹھی تو زمر' جو اپنی کرسی پہ بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی' آہستہ سے بولی۔ ''آئی ایم سوری' میں نے تمہیں اس پوزیشن میں ڈالا کہ....''

''ایکچوئلی تھینک یو زمر!'' حنہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتے مسکرائی۔ ''مجھے لگا آج بہت دن بعد بھائی سے باتیں کی ہیں۔'' ایک دم گڑبڑا کر رکی۔ ''مطلب' زمر پھپھو!'' لاحقہ لگا کر خفت سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زمر صرف مسکرا دی۔ فارس خاموشی سے دور بیٹھی ڈاکٹر ایمن کو دیکھتا رہا۔

.....❖❖❖.....

تمام رکمیں ہی توڑ دی ہیں، میں نے آنکھیں ہی پھوڑ دی ہیں ..... زمانہ اب مجھ کو، مرا آئینہ بھی دکھائے تو کچھ نہ پائے

چند دن مصروف سے گزرے، وہی روٹین والی زندگی۔ اور پھر ایک چمکیلی صبح ہاشم کاردار کے آفس کے باہر حلیمہ فون پہ کسی کو ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔ بند دروازے کی نچلی درز سے اندر جاؤ تو ہاشم پاور سیٹ پہ ٹیک لگائے براجمان تھا' اور سامنے کرسی پہ بیٹھا نوشیرواں برا منہ بنائے بیٹھا رہا تھا۔

''طبیعت آپ کی خراب ہوئی' شامت میری آ گئی۔ مطلب اب مجھے روز آفس آنا پڑے گا؟''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''نہیں' میں بوڑھا نہیں ہو رہا۔ لیکن تم بھی اب بچے نہیں رہے۔ تمہاری کمپنی اب تمہارے حوالے ہے۔ تم اس کو جہاں لے جاتے ہو' یہ تم پہ منحصر ہے۔'' ذرا رکا۔ ''اب سعدی تھرکول میں نہیں ہے۔ یہی وقت ہے جب ہم پراجیکٹ لے سکتے ہیں۔'' نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ''بھائی یار' ایک اس کے نہ ہونے سے تھرکول کا کیا بگڑے گا۔''

ہاشم میز سے ایک کرسٹل بال اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے مسکرایا۔ ''تم میری بات نہیں سمجھے۔ وہ ان کی سائیڈ پہ نہیں ہے' وہ ہماری سائیڈ پہ ہے۔''

نوشیرواں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ ہمارے لئے کبھی کام نہیں کرے گا۔''

''کرے گا۔ اس کی بہن اس کی کمزوری ہے۔ میں نے اسے سے حوالے سے اچھا خاصا خوفزدہ کر دیا ہے۔''

''آپ کیا کریں گے اس کی بہن کا؟''

ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''وہ چھوٹی بچی ہے' مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر اسے ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ سعدی کی

واحد وارث ہے۔ سعدی کی ماں کو تو رہنے دو اس کو insane قرار دینا آسان ہے۔''

''بھائی۔'' شیر والجھ کر سوچنے لگا۔ ''اگر... بالفرض.. اس چھوٹی لڑکی کو کچھ ہو جائے' مطلب کہ یہ مَر وَر جائے' تو حقِ قصاص کا کیا ہوگا؟''

''حقِ قصاص منتقل ہو جائے گا۔ اس لڑکی کے شوہر کو۔''

وہ چونکا۔ ''اور شوہر چاہے تو معاف کر دے؟''

ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل۔''

نوشیرواں نے ستائش سے ابرو اکٹھے کیے۔ ''واؤ۔ انٹرسٹنگ۔ اس کو واقعی ہاتھ میں رکھیں پھر۔ مگر آپ کہہ رہے تھے کہ کئی دن سے اس نے آپ کو ٹیکسٹ نہیں کیا۔''

''کیونکہ میں نے اسے ٹیکسٹ نہیں کیا۔ جس دن میں کروں گا۔ وہ فوراً جواب دے گی۔ کیا تم لڑکیوں کو جانتے نہیں ہو؟'' لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوتے اس نے تبصرہ کیا۔ شیر و گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ (واہ۔۔ بھائی کمال کا تھا۔ ایک اس سے تو نہ قتل ٹھیک سے ہوا' نہ ایک لڑکی پٹ سکی۔) سینے میں ٹیس سی اٹھی۔

.....❖❖❖.....

سینکڑوں طوفان لفظوں کے دبے تھے زیرِ لب ..... ایک پتھر تھا خموشی کا کہ جو ہلتا نہ تھا

انیکسی میں وہ صبح خاموش سی پھیلی تھی۔

لاؤنج میں ابا بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ ساتھ صوفے پہ زمر پیر اوپر رکھے بیٹھی' لیپ ٹاپ گود میں رکھے' کانوں میں ائیر فونز لگائے ہوئے تھی۔ اسکرین پہ جو ونڈو کھلی تھی اس سے ظاہر تھا کہ وہ فارس کے آڈیو سیشنز سن رہی تھی۔ بہت سے سن لئے تھے' اور بہت سے رہتے تھے۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس کا یہی معمول تھا۔ جب وقت ملتا، اسی طرح بیٹھ کر اس کی باتیں سنتی رہتی۔ پتہ نہیں کیوں عادت سی ہوتی جا رہی تھی اس کی آواز کی۔

ابا مسلسل خاموشی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ وہ ان آوازوں سے بے خبر تھے جو زمر کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

''تمہیں اپنی بیوی سے محبت تھی؟'' ڈاکٹر ایمن پوچھ رہی تھی۔ زمر کے ابرو سکڑے' ابا نے محسوس کیا وہ دھیان سے سننے لگی ہے۔

''وہ میری بہت اچھی دوست تھی' اینیج منٹ تھی ہمارے درمیان' ہمدردی' خیال کا رشتہ تھا' اور کیا ہوتی ہے محبت؟''

''مطلب کہ محبت نہیں تھی۔''

''وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی' اور میں اس کو بہت مِس کرتا ہوں' جیل میں تو بہت زیادہ۔ آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں صرف سچ بولنا چاہتا ہوں، اور میرا سچ آپ کے علاوہ کوئی سننا نہیں چاہتا۔''

''تمہیں کسی اور سے محبت تھی' ہے نا؟''

''مجھے جج کیوں کر رہی ہیں آپ؟'' وہ دھیما سا بولا تھا۔

''یہ میری جاب ہے۔ تمہارے اندر کے خیالات باہر لانا۔ مگر یہ محفوظ رہے گا۔ تم جانتے ہو' confidentiality کے پانچ C..''

''واٹ ایور!''

''تو اس سے شادی کیوں نہیں کی جس سے محبت تھی؟''

چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔ زمر کو بے چینی ہوئی' کہیں آگے ٹیپ بلینک تو نہیں؟ مگر پھر فارس کی آواز ابھری۔

''ہو نہیں سکی۔''

''اس نے انکار کر دیا؟''

''پتہ نہیں۔''

(اُف' اس کو کیا مسئلہ ہے' ٹھیک سے بتاتا کیوں نہیں ہے؟ بات گھمانی ضرور ہے؟) وہ چڑی۔

''کبھی بتایا اس کو؟''

ذرا وقفہ ہوا۔ ''میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ یہ کس چیز کا انجیکشن تھا۔'' ایک دم زمر چونکی۔

''تمہاری اجازت سے لگایا ہے، یہ..truth serum تھا۔ میں چاہتی تھی' تم سچ بولو۔''

زمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ اس کی آواز میں تکلیف محسوس کر سکتی تھی۔ (کیا ڈاکٹر نے اس کو سائیکو ایکٹو ڈرگز دے کر اعتراف کروایا تھا؟) فارس سے سارے اختلاف اپنی جگہ' اس کا اعترافِ قتل سننے کا اشتیاق اپنی جگہ' مگر اس کے اندر کی انصاف پسند لڑکی کو کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔

''آئندہ مجھے یہ انجیکٹ مت کیجئے گا۔'' وہ نیم غنودگی میں بول رہا تھا۔ ''جو پوچھنا ہے ایسے ہی پوچھ لیا کریں۔''

''او کے' اس لڑکی کا بتاؤ' اسے کبھی بتایا یا نہیں؟''

''نہیں۔'' اس کی آواز آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی۔

''کبھی کوشش کی؟''

''کی تھی۔''

''کیسے؟''

''میں نے اسے.... ایک ہیرا دیا تھا۔''

وہ جو چہرے پہ اذیت لئے سن رہی تھی' ایک دم ٹھہر سی گئی۔ بالکل مبہوت۔

''کون تھی وہ؟''

''میرے نروز بہت مضبوط ہیں' ڈاکٹر۔ جو نہیں بتانا چاہتا۔ نہیں بتاؤں گا۔'' آواز ہلکی اور غنودہ تھی۔ چند لمحے کی خاموشی۔

''فارس' تم نے اپنے بھائی کا کیوں قتل کیا؟'' نرمی سے پوچھا۔

''میں نے نہیں کیا۔'' گہری سانس لینے کی آواز۔

''او کے۔ تم سو جاؤ۔'' چند منٹ کی خاموشی کے بعد سیشن ختم ہو گیا۔ وہ متحیر' الجھی' حیران سی بیٹھی رہی۔ پتہ نہیں اس کا دل کس بات پہ الجھا تھا۔ اور حیرت کس بات پہ تھی۔

''چھوڑو زمر۔ اس کو لڑکیوں میں ہیرے بانٹنے کی عادت ہے؟ ایک اپنی ٹیچر کو دیا' ایک اس لڑکی کو' اور زرتاشہ کاویسے کا سیٹ بھی ائمنڈ کا تھا۔ ہونہہ!'' ائیر فونز اتارتے ہوئے وہ تکلیف میں ڈوبی آواز کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''اچھا بالفرض وہ میری بات کر بھی رہا تھا تو وہ تب کی بات تھی۔ اب تو میں اس کی دشمن ہوں۔''

''کیوں پریشان ہو؟'' ابا کی آواز پہ وہ چونکی۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے سر جھٹکا۔

''بس.... ایک پرانا کیس اسٹڈی کر رہی تھی۔'' اٹھ کر چیزیں سمیٹنے لگی۔ انہوں نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

''کتنے عرصے سے ہم نے بات نہیں کی۔تمہارے پاس اب وقت نہیں ہوتا زمر!''

وہ ٹھہر گئی۔دل کو دھکا سا لگا۔''ایسا نہیں ہے۔میں سعدی والے معاملے میں الجھی رہتی ہوں۔ورنہ....آپ کو پتہ ہے آپ پہ طنز کرنے کا موقع میں چھوڑا نہیں کرتی۔''رسان سے کہتی'ان کے قریب آ بیٹھی۔وہ دھیما سا مسکرائے۔

''سعدی مل جائے گا۔میں بہت دعا کرتا ہوں۔دنیا میں ایسا کچھ نہیں ہے جو دعا سے نہ مل سکتا ہو۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔تبھی فون بجا۔نمبر دیکھا تو اس دن وہ واقعی اسے اسٹپنی لگا۔''سوری'ابا' مجھے یہ کال لینی پڑے گی۔''

''کوئی بات نہیں۔''انہوں نے گہری سانس بھری۔اب وہ بات کرتی سیڑھیوں پہ چڑھتی جا رہی تھی۔

''مسز زمر، میں اسی ہوٹل سے آ رہا ہوں۔''وہ بتا رہا تھا۔''تصاویر میں نیچے ایک ہورڈنگ بورڈ نظر آ رہا ہے۔پورے ہوٹل میں اوپر نیچے صرف نو ایسے کمرے ہیں جن سے یہ اینگل بن سکتا ہے۔''

''آپ نے نو کے نو کمرے دیکھے؟''

''جی۔مگر پکچرز اسی کمرے سے لی گئی ہیں جس سے آپ پہ فائرنگ کی گئی۔''

''کیسے؟''زمر نے بات کاٹی۔(اف،اس کے معالج کو سو در ے تو لگنے چاہئیں۔)مگر بظاہر تحمل سے بولا

''دیکھیں'تصویر میں کھڑکی کے پٹ پہ ایک نشان سا ہے'کیل وغیرہ ٹھونک کر نکالنے کا۔یہ نشان مجھے ان نو کمروں کی کسی کھڑکی پہ نہیں ملا۔سوائے اسی کمرے کے۔اب پینٹ کی وجہ سے ڈھک گیا ہے لیکن موجود ہے۔''

''یعنی ہمارا ٹرافی کلیکٹر بھی اسی کمرے میں موجود تھا۔تو وہ فارس کے جانے کے بعد آیا ہوگا؟''

''نہیں،وہ کافی دیر سے یہاں تھا۔''

''احمر میں بہت احسان مند ہوں گی اگر آپ ایک ہی سانس میں پوری بات بتا دیں۔''وہ اکتائی۔

(یہ ہوئے پورے ایک سو پچاس درے!)

''تصاویر میں کھڑکی کے شیشے میں جو عکس پڑ رہا ہے،اس میں میز کے اوپر گرے ایش ٹرے نظر آ رہی ہے۔زوم کر کے دیکھا ہے میں نے۔مگر ہوٹل کی کراکری میں تمام ایش ٹریز،اب بھی اور تب بھی،شفاف شیشے کی ہیں۔سو غور کیا تو معلوم ہوا کہ ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بھرے ہونے کے باعث گرے لگ رہی ہے۔یعنی ہمارا ٹرافی کلیکٹر کافی دیر سے بیٹھا انتظار کرتے ہوئے سگریٹ پھونک رہا تھا۔چین اسموکر ہے وہ۔اور غازی سگریٹ نہیں پیتا۔''

زمر چند لمحے خاموش رہی۔''یعنی وہ فارس کے ساتھ تھا؟''

''یا شاید غازی اس کے ساتھ تھا ہی نہیں۔یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے واقعی فریم کیا گیا ہو۔''

''اس کو بے گناہ مت سمجھیں'اس نے یہ کیا ہے۔مجھے یقین ہے۔''مگر لہجہ اتنا سخت اور مضبوط نہیں تھا۔

''مجھے اس ٹرافی کلیکٹر کے بارے میں مزید کچھ ٹھوس معلوم کر کے دیں۔آپ نہ بھی کر سکیں،تب بھی آپ کی فوٹیج آپ کو دے دوں گی۔''احمر کے اندر تک ٹھنڈی پڑ گئی۔(چلو پچاس درے واپس لیے!)

وہ فون رکھ کر آئی تو ابا کو سیم لان میں لے جا رہا تھا۔اور فارس باہر سے آ رہا تھا۔زمر نے جلدی سے آ کر اپنا لیپ ٹاپ آف کیا۔وہ سیدھا اس تک آیا۔

''آپ کا اندازہ درست تھا۔ڈاکٹر بخاری کو سعدی کو غائب کرنے کے لیے کوئی رقم نہیں دی گئی۔''وہ چند کاغذات اس کی طرف بڑھاتے بولا۔''مگر ایک ماہ قبل کچھ فارن ڈونرز نے ہسپتال کے لیے مشینری عطیہ کی ہے۔''

''سارا پیپر ورک کلین ہے۔ قانونی طور پہ اب ان کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔'' وہ کاغذات الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا، ایسی مسکراہٹ جس میں شدید تپش تھی۔

''قانون کی بات بھی کون کر رہا ہے؟ اس وقت جج، جیوری اور جلاد، فارس طہیر غازی ہے!'' سینے پہ انگلی سے دستک دی، اور اوپر چڑھتا گیا۔ زمر نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

.....❖❖❖.....

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن ..... زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

ان سے دور، اس سینڈ کلر دیواروں والے کمرے میں وہ بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھا تھا۔ اپنے قرآن کو ہاتھ میں لئے، وہ سرورق پہ ہاتھ پھیرتا کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ قرآن کھولا۔ پانی کے جگ کو دیکھا جو سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔ اس میں اپنا عکس نظر آیا۔ گردن کے نشان واضح تھے، باقی سب کچھ مندمل ہو چکا تھا۔ اس نے گننے کی کوشش کی۔ یہ اگست کے آخری دن تھے۔ اسے تین ماہ ہو چکے تھے اس قید میں۔ خیر۔ میرا وقت بھی آئے گا۔

نظر میری پہ پڑی جو سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھی۔

''تم نے کیا کیا تھا جو مسز کاردار نے نوکری سے نکالا؟''

''روز روز یہ سوال مت دہرایا کرو۔'' اکتا کر میگزین لیے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اسے اس کو باہر ہی نکالنا تھا سو اب آرام سے توجہ قرآن کی طرف مبذول کی۔

''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔''

اس روز وہ چیونٹی والا قصہ پورا بھی نہیں پڑھ پایا تھا، جب مایا نے اسے انجیکشن دیا تھا۔ پھر بعد میں صرف ناظرہ تلاوت کرتا رہا کچھ دن۔ کہاں تھا وہ تفسیر میں؟ مطلوبہ آیت ڈھونڈ کر زیر لب پڑھنے لگا۔

''تو (سلیمان) مسکرا دیے ہنستے ہنستے، اس (چیونٹی) کی بات پر....'' سعدی وہیں رکا۔

''مسکرا دیے ہنستے ہنستے؟ پتہ ہے کیا، اللہ میں نے بہت دفعہ سوچا کہ ان الفاظ کی کیا ضرورت تھی قرآن میں؟ دیکھیں نا، یہ تو افسانہ نگار کرتے ہیں، کرداروں کے چہرے کے تاثرات، ہنسی، وغیرہ بتانا۔ قرآن میں مگر کچھ بھی ایکسٹرا نہیں ہوتا۔ تو اس کی وجہ.... خیر وجوہات تو بہت سی ہوں گی، مگر مجھے یہ سمجھ آیا کہ دیکھیں، یہی قصہ تورات میں یوں لکھا ہے، کہ چیونٹی کی بات سے سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا، انہوں نے اسے ڈانٹ دیا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس آیت نے دوسری آسمانی کتابوں میں درج اس مسخ شدہ قصے کو گویا کینسل کر دیا، اور بتایا کہ آپ کے انبیاء کتنے پیارے اور نرم دل لوگ تھے۔'' نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ''اور دوسری بات، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کہ ''وہ ہنستے ہنستے مسکرا دیے''۔ میں نے ان دو الفاظ پہ غور کیا تو یہ لگا کہ خالی ''وہ مسکرا دیا'' بھی کہا جا سکتا تھا۔ پھر ''ہنستے ہنستے مسکرا دیا'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر احساس ہوا کہ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی بات نے اتنا لطف دیا تھا کہ وہ ہنسنے کو تھے، مگر ضبط کر کے صرف مسکرا دیے۔ انبیاء بہت مسکرانے والے لوگ تھے، مگر ان کے مسکرانے میں بھی میز نر ہوتے تھے، گریس تھی، وقار تھا۔ وہ اونچا قہقہہ نہیں لگاتے تھے، ایسے نہیں کہ حلق کا کوا نظر آئے، اسی لئے ان کے دل زندہ تھے۔ کیا کوئی ہے جو میرے انبیاء کا مقابلہ کر سکے؟'' ان قدیم قصے کہانیوں کو پڑھتے ہوئے وقت کا احساس ختم ہو جاتا تھا۔ وہ اپنا کمرہ بجن، ان تین ماہ کی اذیت، ہاشم کی باتیں، سب بھولتا جا رہا تھا اور پڑھتا جا رہا تھا۔

''پھر (سلیمان) اس کی بات سے ہنستے ہنستے مسکرا دیے اور کہنے لگے، اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں آپ کے احسان کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پہ کیا اور میرے ماں باپ پہ کیا اور یہ کہ میں وہ نیک کام کروں جو آپ پسند کریں اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں

میں شامل کرلیں۔"

"ہوں!" اس نے تھکی ہوئی سانس لی۔ "سو... سلیمان علیہ السلام نے احسان کا شکر کرنے کا کہا تو... اپنے ماں باپ کا ذکر کیوں کیا؟ ایک منٹ۔" گھنگریالے بالوں والا لڑکا ہونٹ دبا کر سوچنے لگا۔ "وہ چیونٹی کی ذہانت پہ مسکرائے تھے' بات تو چیونٹی کی ہو رہی تھی' تو سلیمان علیہ السلام کو اپنے ماں باپ کا خیال کیوں آیا؟ شاید اس لئے کہ..." وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ ماں باپ ہی ہوتے ہیں جو اولاد کو یہودی' عیسائی یا مسلمان بناتے ہیں' نمازی یا بے نمازی بناتے ہیں' ورنہ پیدا تو ہر کوئی اللہ کی فطرت پہ ہوتا ہے۔ یعنی کہ... شکر ادا کرنا بھی "توفیق" سے ملتا ہے۔ "توفیق" بھی "دعا" سے ملتی ہے۔ مطلب کہ دنیا میں ہر چیز دعا سے ملتی ہے۔ اگر دعاؤں سے یقین اٹھ جائے تو اس "یقین" کے لئے بھی دعا مانگی جاتی ہے۔ اور دیکھیں اللہ' سلمان علیہ السلام تو پیغمبر تھے۔ وہ آل ریڈی اتنے نیک تھے۔ پھر بھی دعا کر رہے ہیں کہ اللہ آپ مجھے نیک بندوں میں شامل کرلیں۔ اور پھر وہ نیک کام جو اللہ آپ پسند بھی کریں۔" کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ دل میں بول رہا ہے یا زبان سے کہہ رہا ہے۔ "اللہ تعالیٰ' میں اکثر دیکھتا ہوں' لوگ میوزک شوز منعقد کر کے چیریٹی جمع کرتے ہیں' اب کوئی مانے یا نہ مانے' موسیقی کی اجازت اللہ آپ نے ہمیں نہیں دے رکھی' اور کسی کے نہ ماننے سے حرام' حلال نہیں ہو جائے گا' سو انسان کو نیک کام کرتے وقت سوچنا چاہیے کہ یہ اللہ کے اصولوں کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ ورنہ جیسے اللہ آپ نے کہہ رکھا ہے کہ بعض اوقات اللہ گناہ گاروں سے بھی دین کا کام کروا لیتا ہے۔ یعنی کہ اگر نیت یا طریقہ درست نہ ہو تو ہم بہت عمل کرنے والے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟ عاملة ناصبة؟ اف! میں صرف ڈرانے والی باتیں کیوں سوچتا اور کرتا ہوں؟" مجھرجھری لی۔ "شاید اس لئے کہ مجھے لگتا ہے ہر وقت لوگوں کو اور خود کو "سب معاف ہو جائے گا" اور "جنت کی حوروں" کا کہہ کہہ کر سلائے رکھنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ بار بار انسان کو Reality check ملتے رہنا چاہیے۔"

خیر... وہ اگلی آیت کی طرف بڑھا۔

"اور (سلیمان نے) پرندوں کی حاضری لی تو کہا' کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا وہ غیر حاضر ہے؟ میں سے سخت سزا دوں گا' یا اسے ذبح کروں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے۔"

"تو ثابت ہوا اللہ کہ حسن اخلاق اور چیز ہے' اور ڈسپلن کے لیے سخت اصول بنانا اور چیز ہے۔" خیر... نگاہیں اگلی آیت پہ جمائیں۔

"پھر تھوڑی دیر بعد ہدہد حاضر ہوا اور کہا کہ میں حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں' اور لایا ہوں ملک سبا سے یقینی خبر۔

میں نے ایک عورت کو پایا ہے' جو ان پہ حکمرانی کرتی ہے (ملکہ سبا) اور اسے ہر چیز دی گئی ہے' اور اس کا بڑا سا تخت ہے۔ میں نے پایا ہے کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں' اور شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھائے ہیں' اور انہیں راستے سے روک دیا ہے' سو وہ درست راہ پہ نہیں چلتے۔"

اس دلچسپ قصے کو پڑھتے پڑھتے وہ ان الفاظ پہ ٹھہرا۔

"شیطان نے ان کے اعمال ان کو خوبصورت کر کے دکھائے ہیں؟ مطلب کہ یہ مسئلہ کیا ہے شیطان کے ساتھ؟" ایک دم سے اسے بہت سارا غصہ آیا۔ "کیا یہ انسان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا؟ ہمیں بری چیزیں اچھی بنا کر دکھانا ترک نہیں کر سکتا؟ ہم سکون سے اللہ کی عبادت کیا کریں' شکر کیا کریں۔ حلال کھائیں' لوگوں سے بھلائی کریں' آپ نا شیطان کو لاک اپ کر دیں کبھی اور..." بولتے بولتے وہ رکا۔ "اور... رمضان میں یہی تو ہوتا ہے مگر... پھر بھی..." نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"اچھا سوری' یہ شیطان کو لاک اپ والی بات واپس لیتا ہوں میں۔ خواہ مخواہ ایموشنل ہو گیا میں۔" سر جھٹک کر آیات کی طرف

سمجھ میں نہ آیا۔ وہاں بڈبڈ کہہ رہا تھا۔

''اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے؟ اور جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو سب کو وہ جانتا ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔''

''ویسے اللہ تعالیٰ...'' وہ ستائش سے کہنے لگا۔ ''ایک بات ہے۔ بڈبڈ بہت ہی سیانا تھا۔ مطلب کہ..... بڈبڈ... ایک پرندہ... ملکہ سبا نے عظیم الشان تخت کو دیکھ کر بھی وہ 'اللہ' آپ کا وہ عرشِ عظیم نہیں بھولا جو اس نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ ایک ننھا سا پرندہ بھی دل کا ایسا بادشاہ ہے کہ اس کو ملکہ کی شان و شوکت نے یوں مبہوت نہیں کیا کہ وہ اللہ کو بھول جائے۔ مگر ہم کیا کرتے ہیں؟ کسی لش پش چمکتے مال میں آ جائیں' کسی سیون سٹار ہوٹل کے فنکشن میں چلے جائیں' تو دولت کی ریل پیل لگا ہوں کو یوں خیرہ کر دیتی ہے کہ ہم سب بھول جاتے ہیں۔ اکثر اچھی اچھی حیا یا عارف کرنے والی لڑکیاں یورپ یا امریکہ چلی جائیں تو ایک ہفتے میں حجاب اتر جاتا ہے۔ وہ مغربی لباس کو اپنا لیتی ہیں۔ میں سوچتا ہوں' ملک بدلنے سے اللہ تو نہیں بدلتا۔ دین تو نہیں بدلتا۔ ایک پرندے کو بھی جو بات پتہ ہے' وہ ہمیں کیوں بھول جاتی ہے؟''

وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا بڑبڑاتا رہا۔ کُرتا رہا۔ پھر قرآن رکھا، دعا مانگی۔ ''مجھے کم از اتنا مضبوط تو کر دیں جتنا وہ ہدہد تھا۔ دل کا بادشاہ۔'' اور یہ تو سعدی یوسف کی 25 سالہ زندگی کے تجربوں کا نچوڑ کہتا تھا کہ قرآن پڑھنے کے بعد مانگی جانے والی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ وہ دعا مانگ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دیوار پہ لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ نیلی جینز اور سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ چہرہ قدرے کمزور مگر آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ خود کو دیکھتے وہ سوچتا رہا۔ سوچتا رہا۔ پھر دروازہ بجایا۔ میری اور گارڈ اسے کھولتے ہی سامنے نظر آئے۔

''میں کھانا لا رہی ہوں' تم.....''

''مجھے ہاشم سے بات کرنی ہے۔ ابھی اسی وقت۔ اور تم..'' گارڈ کو دیکھا۔ ''مجھے گھورو مت۔ اپنی گن کی نمائش بھی مت کرو میرے سامنے۔ مجھے کبھی شوٹ کیا نا تو تمہارا مالک تمہیں شوٹ کر دے گا۔ اس کمپاؤنڈ میں اگر کوئی نہیں مرنے والا تو وہ میں ہوں۔ اب فون لا کر دو مجھے۔''

میری اس کی ٹون پہ حیران ہوئی مگر بلاں چوں چراں فون لا کر اس کو تھمایا۔ ''وہ لائن پہ ہیں۔ یہ صرف ڈن وے فون ہے' اس لئے کال بند کر کے کسی اور کو کرنے کی زحمت مت کرنا۔'' ساتھ ہی اسے گھورا۔ سعدی نے وہیں کھڑے کھڑے فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔

''مسٹر ہاشم کاردار۔ سنا ہے اس روز آپ مجھ سے ملنے آئے تھے۔''

''وعلیکم السلام سعدی۔''

''طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے نزدیک السلام وعلیکم ایک دعا ہے' اور دعا وہ آخری چیز ہے جو میں تمہیں دوں گا۔ فی الحال تو ہاشم میرے پاس تمہیں دینے کے لئے ایک فہرست ہے۔'' چبا چبا کر کہہ رہا تھا اور ادھ کھلے دروازے میں میری اور گارڈز ہکا بکا کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اسے اس ٹون میں بات کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''میں سن رہا ہوں۔''

''میرا خیال تھا' تمہارا میٹ بہت اچھا ہے۔ مگر جو کھانا مجھے دیا جاتا ہے' وہ تمہارے کتے بھی نہیں کھاتے ہوں گے' اس لئے آئندہ میں بتاؤں گا' وہی مینیو مجھے دیا جائے گا' مجھے میری مرضی کی کتابیں' پین اور لکھنے کے لئے صاف جرنلز چاہئیں۔ مجھے ایک ٹی وی چاہیے۔ جس پہ میرے ملک کے لوکل چینلز آتے ہوں۔ مجھے کپڑوں کے دس نئے جوڑے چاہئیں' اور مجھے واک کرنے کے لئے کوئی جگہ چاہیے۔ اسی کمپاؤنڈ کا کوئی بڑا کمرہ ہو بے شک۔''

''اور کچھ؟'' سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''اور بس اتنا کہ اس روز جو تم نے کیا' وہ بزدلانہ حرکت تھی۔ مجھے مفلوج کر دیا کیونکہ تم میرے ری ایکشن سے ڈرتے تھے۔ اتنا بھی کیا ڈرنا ہاشم؟ میں تم پہ تب جھپٹتا' جب مجھے تمہارے کسی لفظ کا اعتبار ہوتا۔ مگر تم جھوٹ بول رہے تھے۔ وہ تصویریں اور وہ باتیں تم نے میرا ذہن خراب کرنے کے لئے کہی تھیں۔ اس لئے میں نے ان کو پھاڑ دیا ہے' کیونکہ میری بہن نے تم سے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ وہ تم سے یو ایس بی کا ہی پوچھ رہی تھی۔ اس لئے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ میرے پاس آؤ' میرے سامنے بیٹھو' اور میرے آنکھوں میں دیکھ کر وہ سب دہراؤ جو تم نے اس دن کہا' مگر مجھے مفلوج نہ کرو۔ پھر دیکھو' میں کیا جواب دیتا ہوں۔ تمہیں اپنی آفر کا جواب چاہیے نا؟''

''سعدی' مجھے تمہاری بہن میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ میرے نزدیک وہ میری بیٹی کی عمر کی ہے' لیکن جو میں نے کہا' وہ خالی دھمکی نہیں تھی۔ میں کرنے پہ آؤں' تو کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

''فون پہ نہیں ہاشم۔ میرے سامنے' میری آنکھوں میں دیکھ کر یہ بات کہنا۔'' اور فون میری کی طرف بڑھا دیا۔ ہاشم نے فون رکھتے ہی انٹر کام اٹھایا۔

''کیپٹین اشعر سے کہو' ہفتے کے روز جیٹ تیار رکھے' مجھے ملک سے باہر جانا ہے' کسی کا دماغ درست کرنا ہے۔'' اپنے پرائیوٹ جیٹ کے پائلٹ کے لئے پیغام دے کر اس نے ریسیور واپس ڈال دیا۔

اور ادھر سعدی کے کمرے میں کھڑی میری نے فون گارڈ کو دے کر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ چلا گیا تو وہ دروازہ بند کر کے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔

''نیکلیس!''

''کیا؟'' سعدی نے ابرو اٹھائی۔

''میں نے مسز کاردار کا نیکلیس چرایا تھا۔ اسی لئے انہوں نے مجھے نوکری سے نکالا۔'' اور پھر اس کو دیکھے بنا باہر چلی گئی۔ سعدی وہیں کھڑا' گہرے سانس لیتا خود کو نارمل کرنے لگا۔ دل کا بادشاہ بننا اتنا مشکل نہیں تھا۔

.....❖❖❖.....

کرو کج جبیں پہ سرِ کفن، میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو ..... کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

وہ رات گرم تھی' اور بے رحم۔ ٹھنڈی تھی اور منتقم۔

اس علاقے میں ویران پلاٹ تھے یا فاصلے فاصلے پہ عمارتیں۔ رات کے اس پہر سڑک سنسان تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اسٹریٹ لائیٹس بھی اچانک سے آف ہو گئی تھیں۔ ایسے میں ڈاکٹر ایمن کے نوتعمیر شدہ ہسپتال کی عمارت اس وقت اندھیر پڑی تھی۔ دروازے پہ تالہ لگا تھا۔ اور باہر دو گارڈز بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں اسٹریٹ لائیٹس کی بات کر رہے تھے۔ پیڈسٹل فین ساتھ ہی چل رہا تھا۔ ایک گارڈ جمائی لیتے ہوئے منہ پہ ہاتھ رکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے کندھے میں کوئی شے آ کر چبھی۔

چبھن شدید تھی' پھر ہلکی ہوتی گئی۔ جسم کسی خالی بادل کی مانند ہو رہا تھا۔ گردن اور کندھے کے درمیان کوئی سرنج سی چبھی پڑی ہے۔ کنکھیوں سے اسے نظر آیا کہ ساتھ والا گارڈ کرسی سے نیچے گرتا جا رہا تھا۔ اس کا اپنا جسم بھی ڈھلک رہا تھا۔ اور اسی ڈھلکی گردن سے اس نے دیکھا۔ دو جوگرز والے پیر اس کے سامنے آ رکے تھے۔ جوگرز سے اوپر جینز نظر آئی' اس سے اوپر نہ دیکھ سکا اور غنودگی میں ڈوبتا گیا۔

جینز کے اوپر اس نے سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین کلائی سے بالشت بھر پیچھے ختم ہو جاتے تھے۔ نگاہ اوپر اٹھاؤ تو اس کا چہرہ نظر آتا تھا جو اس وقت پتھریلا سا تھا۔ چھوٹے کٹے بال اور ہلکی بڑھی شیو۔ آنکھوں میں سرد تپش تھی۔ اور پہلو میں گرے ہاتھ میں پستول تھی۔

اندھیرے میں بھی فارس غازی کی ٹھنڈی آنکھوں میں چبھن نظر آتی تھی۔

(''ڈاکٹر ایمن میرے ساتھ دہرایے۔ میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر حلف اٹھاتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی' سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔'' تین سال پہلے وہ سفید کرتے میں ملبوس ڈیفینس کی کرسی پہ بیٹھا' سلگتی ہوئی نظروں سے کٹہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں کھڑی ڈاکٹر ایمن سے حلف لیا جا رہا تھا۔

''میں اللہ کو حاضر ناضر جان کر کہتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی' اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔''

''اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔''

''اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔'')

فارس نے پستول پچھلی جیب میں اڑسا۔ جھکا۔ دونوں گارڈز کی گردنوں سے ٹرینکولائزر ڈارٹس darts نکال کر کندھے پہ لٹکے بیگ میں ڈالے۔ پھر ایک کو کندھوں سے گھسیٹتا ہوا سڑک کے اس پار لے جانے لگا جہاں جھاڑیاں تھیں۔

(''کیا آپ اس شخص کو پہچانتی ہیں ڈاکٹر ایمن؟''

''جی۔ یہ وارث غازی کی تصویر ہے۔ وہ میرا پیشنٹ تھا۔ تین ماہ تک وہ میرے پاس آتا رہا تھا۔''

''آپ جانتی ہے جج نے آپ کو ڈاکٹر پیشنٹ previlige توڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے آپ وارث غازی کے سیشنز کی نیچر عدالت کو مطلع کریں۔'')

اب دونوں بے سدھ ہوئے گارڈز دو جھاڑیوں میں اوندھے پڑے تھے۔ اور وہ کندھے پہ بیگ لٹکائے' واپس ہسپتال کی عمارت کی طرف چلتا جا رہا تھا۔ اب ایک ہاتھ میں چھوٹا کلہاڑا بھی نظر آ رہا تھا۔ دروازے کے سامنے وہ رکا' اور زور سے کلہاڑا تالے پہ مارا۔ تالہ ٹوٹا۔ اس نے ہو کر سے دروازے کو ٹھوکر ماری۔ دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔ وہ اندر داخل ہوا۔

(''وارث پریشان تھا۔ اور گلٹی بھی۔ اس نے بتایا' اور یہ سب میرے نوٹس میں بھی لکھا ہے جو میں نے عدالت کے حوالے کیے ہیں' وہ اپنے بھائی فارس کی بیوی کو پسند کرتا تھا اور اس کے اس کے ساتھ تعلقات تھے۔'' کٹہرے میں کھڑی عورت سکون سے کہہ رہی تھی اور کٹہرے میں بیٹھا سفید کرتے والا غازی' اس کو انہی چبھتی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ آنکھوں میں سرخی آ رہی تھی اور مٹھی بھنچی ہوئی تھی۔ ''اس نے کہا تھا وہ اس رشتے میں لڑکی راضی نہیں تھی' سب زبردستی ہوا' مگر اب وہ بھی مکمل طور پہ انوالوڈ ہو چکی تھی۔ وہ بہت گلٹی تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے بھائی کو علم نہ ہو جائے۔'')

اس نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہونے لگیں۔ اندر سے ہسپتال ٹائلز کے فرش اور سفید دیواروں سے جگمگا رہا تھا۔ قیمتی اور بہترین مشینری۔ بس دو مہینے بعد وہ افتتاح کے لیے تیار تھا۔ وہ بتیاں جلاتا' آگے بڑھتا گیا۔ آنکھوں میں سردی ٹھنڈ لئے.... وہ ایک ایک کمرے کو دیکھتا جا رہا تھا۔

(''اپنی موت سے دو دن قبل وہ میرے پاس آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے بھائی کو اس کے افیئر کا علم ہو گیا ہے اور وہ اس سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اسی لئے وہ گھر نہیں جا رہا۔ بلکہ ہاسٹل میں رہ رہا ہے۔ وہ تنہائی میں فارس سے ملنے سے گھبرانے لگا ہے۔'')

فارس قدم قدم چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ تین سال پہلے کے عدالتی کمرے کی ساری کارروائی اس کے چہرے پہ اترے سرد پن کے پیچھے میں پنہاں تھی۔

(''جی ہاں' فارس غازی کے لئے بھی کورٹ نے مجھے اپوائنٹ کیا تھا۔ میں پچھلے آٹھ ماہ سے فارس کا علاج کر رہی ہوں۔ اپنے پروفیشنل پریویلیج توڑتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ کانفیڈینشلیٹی کے پانچ C's میں سے ایک اگر Consent ہے تو وہ میرا مریض مجھے

نہیں دے گا۔'' نظروں کا رخ فارس کی طرف موڑا۔ وہ انہی سرخ گلابی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ''دوسرا سی' کورٹ آرڈر' ہے مگر میرے نزدیک اس سے زیادہ اہم Continued treatment ہے۔ اور فارس کے لئے یہ بہتر ہے کہ میں یہ سب کورٹ کو بتاؤں۔ آئی ایم سوری فارس!'')

وہ وسط کمرے میں آ کھڑا ہوا۔ بیگ کھولا' اور اندر سے کاغذوں کا ایک پلندہ نکالا۔ پہلے صفحے پہ چند الفاظ نظر آئے۔ سرکار بنام فارس غازی۔ پی ڈبلیو (پراسیکیوشن witness)، ڈاکٹر ایمن کی گواہی۔ وہ انہی سرد آنکھوں میں آنچ لئے اس پلندے کو دیکھ رہا تھا۔

(''ٹریٹمنٹ کے دوران فارس نے مجھے بتایا کہ اسے پہلے دن سے اپنی بیوی کی حرکتیں پسند نہیں تھیں۔ وہ امیچور اور بچگانہ سی تھی۔ مگر وہ اس کو چانس پہ چانس دینے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنی بیوی کو اپنے بھائی کے ساتھ دیکھ لیا۔ اس کی غیرت کے لئے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ دو دن سو نہیں سکا۔ کسی کو بتا نہیں سکا۔ وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔''

''کیا آپ نے اس سے یہ اعتراف کروانے کے لئے کبھی کوئی ڈرگ استعمال کی؟''

''نہیں۔ میں نے کبھی اس کو کوئی سائیکو ایکٹو ڈرگ نہیں دی۔'')

اس نے بیگ سے ایک چھوٹی استری نکالی۔ کاغذوں کا پلندہ میز پہ رکھا اور استری کا لوہا کاغذوں کے اوپر لٹا دیا۔ پلگ لگا کر سوئچ آن کیا۔ پھر کلہاڑا اٹھایا۔

(''اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کو قتل کر دے مگر وہ پکڑے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ یہ آرگلنگ نہ لگے۔ فارس غازی نے 2 نومبر' اور اٹھائیس جنوری والے سیشن میں اعتراف کیا تھا کہ اس نے یہ دونوں قتل کیے ہیں' اور اسے ان پہ بہت افسوس ہے۔ آپ میرے نوٹس چیک کر سکتے ہیں۔ آڈیو ٹیپ کی اجازت اس نے مجھے نہیں دی تھی۔ اب میں یہ سب اس لئے کورٹ کو بتا رہی ہوں کیونکہ اگر آپ نے فارس کو ضمانت پہ رہا کیا تو وہ خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے اپنے پیشنٹ کی فکر ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی اور جرم میں ملوث ہو کر چند دن بعد پھر جیل میں بند ہو۔ اس لئے ابھی کچھ ماہ تک اسے کسٹڈی میں رکھنا ضروری ہے۔'')

وہ دیوار تک آیا' چند لمحے اپنی سرد آنکھوں سے دیوار پہ لگے پائپ کو دیکھتا رہا' پھر پوری قوت سے کلہاڑا اس پہ مارا۔ پائپ چیرا گیا۔ سس کی آواز سے گیس لیک ہونے لگی۔

فارس طہیر غازی نے اپنا بیگ کندھے پہ ڈالا اور' راہداری کی طرف چلتا گیا۔ استری تلے رکھے کاغذ درمیان سے ہلکے ہلکے بھورے ہونے لگے تھے۔ وہ دروازے سے باہر نکل آیا' اور اسے بند کر دیا۔ ایک نظر اٹھا کر اس دو منزلہ خوبصورت عمارت کو دیکھا۔

(''مجھے معلوم ہے تم مجھ سے خفا ہو گے۔'' سماعت ختم ہونے کے بعد وہ اس کی کرسی کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھوں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ مٹھی زور سے بھینچ رکھی تھی۔ ''مگر مجھے تمہاری فکر ہے' تم ٹھیک نہیں ہو۔ اگر باہر جاؤ گے تو خود کو نقصان دو گے۔'' فارس نے سرخ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''یہ مت سمجھنا کہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔ تم نے یہ سب اس دن مجھے بتایا تھا، جب میں نے تمہیں ٹروتھ سیرم دیا تھا۔ تمہیں یاد نہیں ہو گا' مگر میں کورٹ میں یہ کہنے پہ مجبور تھی۔ مجھے نوٹس پہ نوٹس آ رہے تھے۔ پھر میں نے جو بھی کیا' تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لئے کیا۔'' اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تھپکا۔ انگوٹھی کے اندر کچھ نوکیلا سا چبھا۔ ''تم ایک دن دوبارہ نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤ گے۔ چند سال کی ہی تو بات ہے!'' اب وہ جا رہی تھی۔ سفید کرتے والے شخص نے سرخ آنکھوں کا رخ موڑ کر اسے جاتے دیکھا۔

''مجھے اس دن کا انتظار ہے' ڈاکٹر!'' وہ بڑبڑایا تھا۔)

ہسپتال کی عمارت اسی طرح اندھیر کھڑی تھی اور فارس غازی اب اس سے دور چلتا آ رہا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' کندھے پہ بیگ

اٹھائے' وہ مطمئن سے قدم اٹھا رہا تھا۔ پسِ منظر میں کھڑی تاریک عمارت دور ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایک دم.... رات میں روشنی ہوئی۔ عمارت کے اندر دھماکہ سا ہوا۔ سنہری آگ کے شعلے کھڑکیوں سے باہر لپکنے لگے۔ دروازے جل رہے تھے۔ آگ کے ہاتھ انگلیاں پھیلائے آسمان کی طرف بڑھ رہے تھے' چلا رہے تھے۔ اور وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جا رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

اب وہ پھرتے ہیں اسی شہر میں تنہا لیے دل کو ..... اِک زمانے میں مزاج ان کا سرِ عرش بریں تھا

آسمان پہ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ہسپتال کی عمارت کوئلے کی طرح سیاہ پڑی تھی' دھوئیں کے بادل ابھی تک اوپر اٹھ رہے تھے۔ اردگرد رش تھا۔ فائر بریگیڈ' رپورٹرز کے کیمرے۔ پولیس۔ ایک جگہ وہ دونوں گارڈز کھڑے ایک پولیس افسر سے بات کر رہے تھے۔ فاصلے پہ ایک پولیس موبائل کے ساتھ اے ایس پی سرمد شاہ کھڑا اکمل سے توقیر بخاری کو سن رہا تھا۔ جو پاگلوں کی طرح غرا رہے تھے۔

''تم لوگوں نے میری برسوں کی محنت برباد کر دی۔ اپنے بچوں کی طرح خیال کیا تھا اس عمارت کا میں نے۔''

''ڈاکٹر صاحب آرام سے' میں نے کہا نا ہم تفتیش کر رہے ہیں۔''

''خاک تفتیش کرو گے تم؟ کل تم نے مجھے فون پہ کہا تھا کہ اوپر والے کہہ رہے ہیں' اگر پھر کوئی مطالبہ کیا تو جو ہے وہ بھی نہیں رہے گا' اور آج میرا ہسپتال جلا ڈالا گیا۔ اندھا ہوں میں؟ بچہ ہوں میں؟'' آستین سے کف رگڑتے' پسینے سے تر چہرے اور سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے دبا دبا سا چلائے تھے۔ ''تم سب بھگتو گے۔ وہ.... نیاز بیگ کا بھائی اور تم.... تم سب ملے ہوئے ہو۔''

''میں بڑا لحاظ کر رہا ہوں آپ کا۔ محنت نہ محنت۔ یہ جگہ ہم نے آپ کو دی تھی۔ آدھی سے زیادہ مشینیں ہم نے آپ کو دی تھیں۔'' ناگواری سے ٹوکا۔

''میں نے اپنی ساری جمع پونجی کنسٹرکشن پہ لگائی' میرے اوپر قرضہ ہے' مجھے کنگال کر دیا تم لوگوں نے۔'' وہ بال نوچ رہے تھے۔ وہ واقعی بال نوچ رہے تھے۔

قدرے فاصلے پہ کار آ رکی اور تیزی سے دروازہ کھول کر ڈاکٹر ایمن باہر نکلی۔ ادھر ادھر دیکھتی' قدم بڑھائے تو سامنے عمارت نظر آئی۔ وہ زنجیر پا ہوئی۔ برف ہوئی۔ نمک کا مجسمہ ہوئی! اس کی آنکھیں اس کوئلے کی سی ہوئی عمارت پہ جا ٹھہریں' لب ہلکے سے کھل گئے... اور دل... دل خالی ہو گیا۔ بے اختیار اس نے کار کے دروازے کا سہارا لیا۔

سب جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

بنا پلک جھپکے' وہ اس عمارت کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کا رنگ پیلا زرد ہو رہا تھا' اور کانوں کے ہیرے ویسے ہی جگمگا رہے تھے۔

.....❖❖❖.....

کوئی ٹھہرا ہو جو لوگوں کے مدِ مقابل تو بتاؤ ..... وہ کہاں ہیں کہ جنہیں ناز بہت اپنے تئیں تھا

اس شام ڈاکٹر ایمن بہت تھکی تھکی' نڈھال سی اپنے لاؤنج میں اندھیرا کیے بیٹھی تھی۔ گھر خالی تھا۔ بچوں کو نانی کی طرف بھیج دیا تھا اور ڈاکٹر توقیر تھانے گئے ہوئے تھے۔ وہ پیر اوپر کیے' یک ٹک بیٹھی خلا میں دیکھ رہی تھی۔ پھر یکا یک کھٹکا سا ہوا۔ وہ چونکی۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔ مدھم سی بیٹ۔ وہ سست روی سے اٹھی اور راہداری کی طرف آئی۔ اندھیر گھر میں ادھر ادھر چلتی اپنی اسٹڈی کے دہانے پہ آ رکی۔ دروازہ دھکیلا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ صرف کھڑکی سے نیلگوں روشنی آتی تھی۔ وہ جانے لگی' تبھی یک دم رکی۔

میز کے پیچھے' کنٹرول چیئر پہ کوئی بیٹھا تھا۔ اس کا سارا وجود اندھیرے میں تھا۔ صرف ایک ہاتھ نظر آ رہا تھا جس سے وہ میز پہ ایک پین کو ''ٹھک ٹھک'' بجا رہا تھا۔

''پنجاب پرزن کے چار سی ہوتے ہیں۔کنٹرول' کسٹڈی' کیئر اور کریکشن۔'' تاریکی میں بھی وہ اس کی آواز سن سکتی تھی۔وہ بت بن گئی۔ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

''کانفیڈینشیلٹی کے پانچ سی ہوتے ہیں' جن کے تحت پریولیج توڑا جا سکتا ہے۔آپ کو یہ نو کے نو C یاد رہے۔مگر مجھے صرف ایک C کا علم ہے۔''

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی۔پلکیں جھپک کر اندھیرے میں آنکھوں کو عادی کیا' تو منظر واضح ہوا۔

''اور وہ C ہے۔کاربن۔'' وہ آگے ہوا۔نیلی روشنی میں فارس کا چہرہ واضح ہوا۔اس پہ سرد سی مسکراہٹ تھی۔اور آنکھوں میں تپش تھی۔وہ آگ اور برف ایک ساتھ دیکھ رہی تھی۔

''وہ کاربن نہیں جو آپ کے کانوں میں ہیں۔'' انگلی سے ڈاکٹر ایمن کے کانوں کی طرف اشارہ کیا جن میں جگمگاتے ہوئے دنیا کے سخت ترین کاربن تھے۔''بلکہ ایک ہائیڈروکاربن۔وہ سی جو آپ کو بھول گیا تھا۔CH4''

ڈاکٹر ایمن کا سانس حلق میں اٹک گیا۔''میتھین؟ نیچرل گیس۔'' وہ شل رہ گئی۔''تم نے....تم نے آگ لگائی ہے میرے ہسپتال میں۔ہے نا؟ تم نے کیا نا یہ سب؟'' اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے میں آیا...وہ ایک دم آگے آئی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟ وہ میرے برسوں کی محنت تھی۔وہ میری پوری زندگی تھا۔'' وہ دبا دبا سا چلائی تھی۔''ہمارے اوپر قرضہ ہے۔اسے کیسے اتاروں گی میں؟ میں تباہ ہوگئی ہوں فارس غازی!''

''گڈ!'' اس نے سر کو خم دیا۔ایمن کی آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

''تم...تم نے مجھ سے بدلہ لیا نا۔پریولیج توڑنے کا۔پرجری کا۔ہاں بولا تھا میں نے جھوٹ۔اور اب تم دیکھو' میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے' جھکی کھڑی وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔''میں ابھی کے ابھی پولیس بلا رہی ہوں۔تو قیر' اے ایس پی' میں سب کو بتاؤں گی کہ تم نے کیا ہے یہ سب۔کاؤنٹ آف مونٹے کرسٹو واپس آ گیا ہے اور وہ ایک ایک سے بدلہ لے رہا ہے۔اور میں...'' اس کا سانس بپھر رہا تھا۔''میں میڈیا پہ بھی سب بتاؤں گی۔تمہاری بیوی اور تمہارے بھائی کے افیئر کی ایک ایک تفصیل بتاؤں گی۔''

''نہیں' آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔'' آواز پہ وہ چونکی۔کھڑکی کے پردے کے ساتھ کھڑی لڑکی آگے چلتی آئی اور فارس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔وہ ایک انگلی سے مسلسل اپنی گھنگریالی لٹ لپیٹ رہی تھی اور اس کا چہرہ نیلی چاندنی میں دمک رہا تھا۔

ڈاکٹر ایمن ہاتھ ہٹا کر سیدھی ہوئی۔شرربار نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔فارس اب پیچھے کو ٹیک لگائے بیٹھا' مسلسل پین سے میز کی سطح پہ ٹھک ٹھک کر رہا تھا۔

''یہ تم دونوں کی بھول ہے کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

فارس نے قلم رکھا اور میز پہ پڑا فوٹو فریم اٹھا کر سامنے کیا جس میں ایمن' تو قیر اور ان کے تین بچے مسکرا رہے تھے۔''آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے' ڈاکٹر!''

ڈاکٹر ایمن نے استہزائیہ ''اوہ'' کر کے سینے پہ بازو لپیٹے۔''اچھا تو تم میرے بیٹے کو مارنے کی دھمکی دے رہے ہو؟ ہونہہ۔تم یہ نہیں کر سکتے۔You Don't have it in you۔تم قاتل ہو' نہ ہو سکتے ہو۔'' اس بات پہ زمر نے چند لمحے کے لئے فارس کو دیکھا' پھر چہرہ ڈاکٹر کی طرف موڑا۔

''کوئی کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہا ڈاکٹر ایمن۔'' سکون سے بولی۔''مگر مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے ڈرائینگ روم میں دو سرویلنس کیمرے لگے ہیں۔''

ڈاکٹر ایمن نے بے یقینی بھرے غصے سے انہیں دیکھا۔ ''تم لوگوں نے میرے گھر میں کیمرے لگائے ہیں؟ اچھا' تو کیا ریکارڈ کیا تم نے؟ اے ایس پی اور ہماری باتیں؟ ہونہہ۔ ہم ایسی ملاقاتیں گھر پہ نہیں کرتے۔''

''ہم یہی ریکارڈ کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے کچھ زیادہ دلچسپ ریکارڈ کیا ہے۔'' کہتے ہوئے زمر نے اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین روشن کی۔ نیم اندھیر کمرے میں روشنی چمکی۔ اسکرین اس کے سامنے لائی۔ ایمن کی آنکھیں اس پہ جھکیں۔

''یہ آپ کی اور آپ کے بہنوئی کی ایک گفتگو ہے۔'' اس نے پلے نہیں کیا' صرف اسٹل امیج نظر آرہا تھا مگر ڈاکٹر ایمن کا چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھا۔

''جیسا کہ میرے ہزبینڈ نے کہا' آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے' مگر وہ صرف آپ کا بیٹا ہے۔ ڈاکٹر توقیر کا نہیں۔'' اسکرین سامنے لہرائی۔ ''اس کا باپ آپ کی بہن کا شوہر ہے۔ اوہ۔ ڈاکٹر توقیر کو تو علم نہیں ہے نا اس بات کا؟''

ڈاکٹر ایمن کرسی کی پشت پکڑے پکڑے جھکی۔ چند گہرے سانس لئے۔ پھر سامنے بیٹھی۔ اس کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

فارس دونوں ہاتھ باہم ملائے' میز پہ آگے کو ہوا۔ اس کی نیم مردہ آنکھوں میں دیکھا۔ ''قدرت کا ایک اصول ہے، کہ جب کوئی کسی پہ ایسا الزام لگاتا ہے جو اس نے نہ کیا ہو یا ترک کر چکا ہو تو مرنے سے پہلے وہ خود اس میں ضرور ملوث ہو جاتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے فارس کی

نظروں میں تپش ابھری۔ ''تم نے میری بیوی پہ بھری کچہری میں الزام لگایا' تم نے میرے بھائی پہ الزام لگایا۔''

چند لمحے تک ایمن کچھ بول نہ پائی۔ آنکھوں میں آنسو گئے۔ ''کیا تم یہ سب بھول نہیں سکتے تھے؟ رہا ہو گئے' شادی کر لی' سیٹل ہو گئے۔ کیا تم... تم معاف نہیں کر سکتے تھے؟''

''تم لوگوں نے معافی مانگی کب تھی؟ تم لوگوں نے میرے بھانجے کے ساتھ بھی وہی کیا جو میرے ساتھ کیا۔ لیکن اب کم از کم تم ایک لمبے عرصے تک کسی کے ساتھ دوبارہ یہ نہیں کر سکو گی۔'' دوبارہ ٹیک لگائی۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے اسی تپش سے دیکھا۔

''اور اب.... محترمہ آپ وہی کریں گی جو ہم آپ کو بتائیں گے۔''

''جی ڈاکٹر ایمن' اور ہم میں اور آپ میں یہی فرق ہے۔'' وہ بھی خشک سا کہہ رہی تھی۔ ''ہم چاہیں تو آپ کے شوہر کو بتا دیں۔ آپ کا میکہ بھی چھوٹے گا' سسرال بھی۔ شوہر اور دو بچے تو جائیں گے ہی۔ مگر ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کی ذاتی زندگی خراب نہیں کریں گے۔ تب تک جب تک آپ ہمارے کیے پہ عمل کرتی رہیں گی۔''

اس کے آنسو بہہ رہے تھے' اور وہ بے بسی سے انگلیاں مروڑتی زمر کو سن رہی تھی۔

''آپ ہر ایک کو یقین دلائیں گی کہ اس واقعے میں علیم بیگ کا ہاتھ ہے' یہ بھی بتائیں گی کہ وہ آپ کو فون پہ دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ آگے آپ کو پتہ ہے آپ کو کیا کرنا ہے۔'' ڈاکٹر ایمن نے بھیگے چہرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور اب!'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔ ''اب آپ بتائیے' سعدی یوسف کے بارے میں۔ ہر وہ چیز جو اس رات ہوئی۔ زیادہ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے' آپ دیکھ چکی ہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔''

چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا۔ وہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''وعدہ کرو تم کبھی تو قیر کو نہیں بتاؤ گے' میرے اور کامران کے درمیان اب کچھ نہیں ہے' وہ ایک پرانی بات تھی۔ تو قیر کو سنی سے بہت محبت ہے' پلیز تم...''

''ڈاکٹر ایمن اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں اسی وقت یہ ویڈیو ڈاکٹر توقیر کو فارورڈ کر دوں گا۔''

''او کے او کے!'' اس نے ہتھیلی سے آنسو رگڑتے ہاتھ اٹھائے۔ ''اس رات توقیر کو اے ایس پی کا فون آیا' اس نے کہا کہ ایک لڑکا غائب کرنا ہے جب اس کی حالت خطرے سے باہر...''

''یہ سب مجھے پتہ ہے۔ یہ بتائیں' اے ایس پی کے علاوہ کون شامل تھا اس میں؟''

وہ لمحے بھر کو خاموش رہی۔ ''ہمارا رابطہ صرف اے ایس پی سے تھا' مگر.... اے ایس پی اسی شخص سے ہدایات لیتا تھا جس سے تمہارے کیس میں لیتا آیا تھا۔'' رک کر اس کو دیکھا۔ ''تمہارا جج' جسٹس سکندر۔''

''مجھے پتہ ہے جج بکا ہوا تھا اور...''

''تمہیں غلط پتہ ہے۔ جج بکا ہوا نہیں تھا۔ جج خریدار تھا۔''

زمر اور فارس نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''وہ جج ہمارے یا نیاز بیگ کی طرح ایک مہرہ نہیں تھا۔ وہ اسی جرم میں برابر کا حصے دار تھا جس کو چھپانے کے لئے یہ سب ہوا تھا۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتی۔ پلیز اب یہاں سے جاؤ۔'' کرب سے کہتے اس نے منہ پھیر لیا۔

وہ اٹھا اور گھوم کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ زمر بھی پیچھے گئی' تب ایمن بولی۔

''آئی ایم سوری' جو میں نے کیا تمہارے ساتھ۔'' فارس نے مڑ کر ایک نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں' آپ کو قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ دس منٹ پہلے تک آپ وہ سب دوہرانا چاہتی تھیں۔''

اس نے گردن موڑ کر بھیگے چہرے سے فارس کو دیکھا۔ ''تب میں غصے میں تھی۔''

''اور اب آپ صرف خوفزدہ ہیں۔'' مدھم مگر مضبوط آواز میں بولا۔ ''کم از کم چار سال لگیں گے آپ کو اپنا قرضہ اتارنے اور دوبارہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے لئے۔ اور آپ جانیں گی کہ ہر پل اپنی زندگی تباہ ہو جانے کا خوف کیا ہوتا ہے' خوف کی قید کیسی ہوتی ہے' وہ فیلینگ کیسی ہوتی ہے جب آپ اپنی صفائی بھی نہ دے سکیں' جب آپ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگیں۔ مگر ڈونٹ وری ڈاکٹر' آپ ایک دن نارمل ہو جائیں گی۔ چند سال کی ہی تو بات ہے۔'' ہلکا سا ڈاکٹر ایمن کا کندھا تھپکا اور اور تیز قدموں سے باہر نکل آیا۔

.....❖❖❖.....

اِک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو ..... میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

وہ ریسٹورانٹ کے سامنے کار میں بیٹھے تھے اور دونوں کے درمیان خاموشی چھائی تھی۔ زمر تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس نے دو دن لگاتار تمام فیڈز دیکھی تھیں' اور قسمت سے اس کو مطلوبہ شے مل گئی تھی۔ مگر اب تھک چکی تھی۔ کچھ ذہن بھی الجھا تھا۔ فارس کے فقرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ (گناہگار لوگ اپنی بے گناہی پہ ایسے پر اعتماد تو نہیں ہوتے.... اف زمر' بس کر دو، اس کے حق میں کوئی صفائی نہیں۔) کراہ کر اسے دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

''گڈ ایوننگ مسز زمر! میرا نام فارس طہیر غازی ہے۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

اور وہ تھکی تھکی سی ہلکا سا مسکرائی۔ ''مجھے بھی۔'' پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

''میں نے جھوٹ بولا تھا۔ آئی ایم سوری۔'' باہر دیکھتے ہوئے وہ بولی تو وہ چونکا۔

''تمہارے لئے نہیں بتا رہی' اس لئے بتا رہی ہوں کیونکہ میں نے غلط کیا۔ تمہاری بیوی نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ آخری وقت تک

تمہارے لئے پوز لیسیو تھی۔'' کچھ دیر باہر دیکھتی رہی' جواب نہیں آیا تو آنکھوں کا رخ اس کی طرف پھیرا۔

اس نے جیسے گہرا سانس لیا تھا۔ پھر سر جھٹکا۔ کم از کم زمر سے اب وہ اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''کچھ کھائیں گی؟''

''ہوں!'' گردن ہلا دی اور سر سیٹ سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر دیں۔ وہ اندر چلا گیا۔

باہر پھولوں کے اسٹال پہ ڈوبتی شام کے اندھیرے میں بیٹھا گل خان چھڑی سے فٹ پاتھ پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے فارس کو باہر جاتے دیکھا' اس کی آنکھیں چمکیں۔ دوڑ کر زمر کی کھڑکی تک آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ اس نے شیشہ بجایا۔ زمر چونک کر سیدھی ہوئی۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔

''زمر باجی۔'' وہ چہکا۔ ''ہم کو تمہیں کچھ دینا تھا۔'' بے چینی سے دیکھا' اندر فارس کاؤنٹر پہ کھڑا نظر آ رہا تھا۔ پھر جیب سے سیاہ ہیرے والا کی چین نکال کر دونوں ہاتھوں سے اس کی طرف بڑھایا۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا۔

''یہ تمہیں کہاں سے....''

''بعد میں بتائے گا' جب یہ تمہارا بندہ نہیں ہوگا سامنے۔ کل رات سعدی بھائی کو خواب میں دیکھا۔ بھائی بہت خفا تھا ام سے۔'' وہ واپس آتا نظر آ رہا تھا' گل خان کا منہ کڑوا ہوا اور وہ پلٹ گیا۔ زمر نے بے اختیار شکر یہ پکارا۔ پھر کی چین کو دیکھا۔ اس میں ایک سلور پین بھی منتھی تھا۔ اس نے پین کھولا۔ اندر یو ایس بی پلگ تھا۔ فارس قریب آ رہا تھا' اس نے جلدی سے اسے پرس میں رکھ دیا۔

جب وہ گھر آئی اور کھانے کے شاپرز صداقت کو پکڑائے تو حنین اور سیم لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سیم فوراً اٹھا۔ ''پھپھو' حنہ کہہ رہی ہے میری برتھ ڈے سیلیبریٹ کریں گے ہم۔'' وہ مسکرا دی۔ اس کا گال تھپتھپایا۔

''حنہ نے مجھے بتایا تھا۔'' پھر حنین کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر پیچھے آئی۔ زمر نے اوپر کمرے میں آ کر پرس سے کی چین نکالا اور اپنے دراز میں رکھ دیا۔ پھر دروازے میں کھڑی حنہ تک گئی۔

''کیا ہاشم کا کوئی ٹیکسٹ آیا؟''

حنین نے اداسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''او کے' اب سیم کی برتھ ڈے کے لئے انوائٹ کرنے ہم دونوں اس کے پاس جائیں گے' اور جیسا ہم نے ڈیسائڈ کیا تھا' وہی کریں گے۔''

''آپ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ چلو۔'' بال جوڑے میں لپیٹتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ فارس نے دیکھا تو پوچھا۔ ''کدھر؟ صداقت کھانا لگا رہا ہے۔''

''بس پانچ منٹ میں آتے ہیں۔ مسز کاردار سے کام تھا۔ حنہ میرے ساتھ آؤ۔'' اور حنین سر جھکائے' نظر ملائے بغیر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ہاشم کے سامنے اس کے لان میں بیٹھی تھیں۔ ہاشم نے اپنی بیماری کا بتایا البتہ اب وہ فریش لگ رہا تھا۔

''سوری ہاشم ہمیں نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ بیمار تھے۔'' زمر نے کہہ کر حنہ کو دیکھا۔ تو وہ بظاہر مسکرا کر بولی۔ ''تبھی آپ نے اتنے دن سے مجھے ٹیکسٹ نہیں کیا' ہاشم بھائی۔''

اور وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے جا رہا تھا' چونکا۔ زمر کو دیکھا اور پھر حنہ کو۔

''ہاں' میں بس آرام کرتا رہا۔'' البتہ وہ قدرے غیر آرام دہ ہوا تھا۔ اسے ہمیشہ لگا تھا کہ یہ ایک چھپی ہوئی چیٹ ہے' مگر زمر واقف

تھی؟ منظر نامہ بدلنے لگا تھا۔

''اسی لئے میں نے حنہ سے کہا کہ ان کی خیریت پوچھتے ہیں' ورنہ تمہیں یا سعدی کو وہ جواب نہ دیں' یہ ناممکن ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ہاشم جبراً مسکرایا۔

''اچھا ہاشم بھائی' پھر آپ کل آ رہے ہیں ناسیم کی سالگرہ پہ؟'' حنین کے دل میں اذیت ہی اذیت تھی مگر وہ زمر کی ہدایت پہ عمل کرنے پہ مجبور تھی۔ (ہمیں اس کو یقین دلانا ہے کہ یہ کوئی چھپا ہوا افیئر نہیں ہے، بلکہ سب اس سے واقف ہیں، تاکہ وہ کبھی زندگی میں تمہیں یا فارس کو بلیک میل نہ کر سکے، حنہ!)

''کل میرا ایک ڈنر ہے' مجھے وہ کینسل کرنا پڑے گا۔....''

''تو بس آپ ڈنر کینسل کریں۔'' زمر رسان سے بولی۔ وہ دونوں بہت اپنائیت سے اصرار کر رہی تھیں۔ منظر نامہ واقعی بدل رہا تھا۔ (حنین نے زمر کو بتا رکھا ہے؟ تو فارس؟ اوہ پلیز نہیں!)

''او کے!'' اسے پورا منظر نامہ جاننا تھا۔ سو مسکرایا۔ ''میں کرتا ہوں۔'' کال ملا کر موبائل کان سے لگایا۔

''کل کے ڈنر کی ریزرویشن کروا دی ہے؟ چلو یہ اچھا ہو گیا۔ ہاں اسے پرسوں پہ رکھ دو۔ کل میری فیملی میں ایک ڈنر ہے۔ او کے تھینک یو' حلیمہ!'' موبائل رکھ کر مسکرا کر انہیں دیکھا۔ ''چلیں شکر ہے' حلیمہ نے ابھی انویٹیشن کال نہیں کی تھی۔'' وہ بالکل بے خبر کہے جا رہا تھا۔

اور سامنے بیٹھی حنین کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ وہ دونوں یک ٹک ہاشم کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر زمر ذرا سنبھل کر مسکرائی۔

''یہ کون تھی؟ آپ کی کسی ڈیٹ کو تو ہم نے خراب نہیں کر دیا؟''

''ارے نہیں' یہ حلیمہ تھی' میری سیکرٹری۔'' ہنس کر سر جھٹکا۔

اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھو' اور سوچو کہ وہ کون سا لمحہ تھا' وہ ایک لمحہ جس نے انصاف اور انتقام کی وہ جنگ شروع کی تھی' جس نے ان سب کی زندگیاں بدل دی تھیں' تو وہ یہی لمحہ تھا جب ہاشم نے کہا تھا۔ ''یہ حلیمہ تھی، میری سیکرٹری!''

.....❖❖❖.....

باب15:

اور وحی کی آپ کے ربّ نے شہد کی مکھی کی طرف!

یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی نہیں گئی
یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی سانس نہیں لے سکی
اندھیرا یہاں چمگادڑ کی طرح پھیلا ہے۔
کوئی روشنی نہیں سوائے ایک مدھم ٹارچ کے
(شہد کی مکھیوں کی) چینی زردی ہر شے پہ ہے۔
اور سیاہ غلبہ۔ تباہی۔ احساسِ ملکیت۔
مگر یہ وہ ہیں جو میری مالک ہیں۔
نہ ظالم نہ بے حس۔ صرف لاعلم۔
یہ شہد کی مکھیوں کا وقت ہے!
سرما میں وہ خود کو سارے برف زار میں پھیلا لیتی ہیں،
جہاں گرم دنوں میں مکھیاں صرف اپنے لاشے اٹھاتی تھیں۔
شہد کی مکھیاں سب عورتیں ہوتی ہیں۔
کنیزیں اور ملکہ۔
وہ اپنے مردوں سے چھٹکارا پا چکی ہوتی ہیں۔
موسم سرما عورتوں کے لئے ہے۔
کیا اس سرما میں ان کا چھتہ برقرار رہ پائے گا؟
کیا وہ اگلے سال میں داخل ہو سکے گا؟
وہ کس چیز کا ذائقہ محسوس کریں گی؟
کرسمس کے گلابوں کا؟
شہد کی مکھیاں آزاد اڑنے لگی ہیں۔
وہ بہار کی چمک محسوس کر رہی ہیں۔

(سلویا پلاتھ)

ہاشم سے جلد معذرت کر کے وہ دونوں اٹھ آئیں۔ خاموش۔ بالکل خاموش۔

گھر میں کھانے کی میز سیٹ تھی۔ حنین اور زمر چپ چاپ آ کر بیٹھ گئیں۔ کھانا شروع ہوا۔ حنہ نے چند لقمے بمشکل لئے۔ زمر کی تو بھوک مر چکی تھی۔ فارس کھانا کھاتے ہوئے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔

ادھر کھانا ختم ہوا' ادھر حنہ بیسمنٹ کی طرف چلی گئی۔ وہ بھی تیزی سے پیچھے گئی۔ سب مڑ مڑ کر ان کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں کیا ہوا؟

پہلے زمر نے تہہ خانے کا دروازہ لاک کیا۔ پھر نیچے آئی تو دیکھا' حنہ ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''حنین یاد ہے میرے نکاح والے روز سعدی کسی حلیمہ سے اس کے باس سے ملنے کی اپائنٹمنٹ لے رہا تھا؟''

''سارے شہر میں ایک ہاشم کی سیکرٹری تو نہیں ہو گی حلیمہ نام کی۔'' حنین ماننے کو تیار نہ تھی۔ زمر تیز نظروں سے اسے گھورتی سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''مگر سارے شہر میں جس حلیمہ کا باس تمہارے ایگزام میں چیٹنگ والی بات جانتا تھا' وہ ہاشم ہی تھا۔''

حنین ایک دم شل رہ گئی۔

''دیکھو حنہ، ہاشم ہمیں پہلے دن سے کہہ رہا ہے کہ وہ سعدی سے اس شادی کے بعد سے نہیں ملا۔'' اس نے کرن' حماد کے جاننے والوں کی شادی کا ذکر کیا (وہ شادی جس پہ زمر نے مسز جواہرات سے مدد مانگی تھی) ''مگر ہاشم ہم سے جھوٹ بول رہا تھا۔ نوشیرواں بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ دونوں ضرور کچھ جانتے ہیں۔''

''کبھی نہیں۔ وہ کبھی ایگزام والی بات بھائی کو نہیں بتائیں گے۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ''اور بھائی کو ہاشم سے ملنے کے لیے اپائنٹمنٹ کی کیا ضرورت؟ بھائی کے کال ریکارڈز میں بھی آپ کے نکاح کے وقت کسی کو کال کرنے کا ریکارڈ نہیں ملا تھا۔''

''ہو سکتا ہے وہ کوئی اور سم استعمال کر رہا ہو۔ کچھ تو تھا اس ملاقات میں جو ہاشم نے اسے ہم سے چھپایا۔''

''ہاشم... ہاشم! بس کر دیں پھپھو!'' وہ ایک دم چلائی تھی۔ ''ہر وقت ہاشم برا ہے کی گردان۔ کیا بگاڑا ہے انہوں نے آپ کا؟''

زمر کے ابرو نا گواری سے بھنچے۔ ''تمہارے دماغ پہ جو پٹی چڑھی ہے' اس کو اتار کر دیکھو گی تو نظر آئے گا۔''

''مجھے آپ کو وہ سب بتانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ پتہ تھا ایک دن آپ مجھے یونہی جج کریں گی۔'' بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پھر آنکھیں رگڑیں۔ ایک دم ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

''وہ نیکلیس... جو بھائی کی جیب میں کسی نے پارٹی والے دن ڈالا تھا۔ وہ نیکلیس بھائی کی چیزوں میں نہیں تھا جب ہم ادھر آئے تھے۔ اگر واقعی بھائی ہاشم سے ملنے گیا تھا تو ہو سکتا ہے وہ وہی واپس کرنے گیا ہو۔ کیا بتاتے ہاشم ہمیں؟ چوری شدہ نیکلیس واپس کرنے آیا تھا سعدی؟ ان کو لگا ہو گا کہ ہم غلط سمجھیں گے' سو بھائی کی عزت رکھی۔'' وہ زمر سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

''تو پھر سعدی کی کون سی عزت رکھنے کے لئے ہاشم نے اس کو ایگزام والی بات بتائی؟''

ایک دم حنہ کی آنکھوں میں غصہ در آیا۔ ''انہوں نے کچھ نہیں بتایا ہو گا۔ میں کبھی یقین نہیں کر سکتی۔ مگر آپ تو مجھے جج کریں گی نا اب۔ ٹھیک ہے' ساری عقل آپ میں ہے' میں اندھی سہی۔''

زمر پیر پٹخ کر مڑی اور سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ حنین گہرے گہرے سانس لیتی وہیں کرسی پہ بیٹھ گئی۔ اس کی رنگت اڑ چکی تھی اور ہاتھ پیروں میں جان نہیں تھی۔ مگر گردن نفی میں ہل رہی تھی۔ (میں کبھی یقین نہیں کروں گی۔ زمر اپنے بغض اپنے پاس رکھیں۔ کبھی ان کو فارس ماموں

قاتل لگتے ہیں' کبھی ہاشم۔)

اس نے موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ ہاشم کا آخری پیغام ''کین آئی کال یو؟'' ڈیڑھ ماہ پہلے آیا تھا۔ پورا اگست دونوں کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ابھی پھر اس کا میسج آیا۔

''زمر جانتی ہیں کہ تم مجھ سے بات کرتی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''میں تو پچھلے سات سالوں سے آپ سے بات کرتی آئی ہوں' اس میں چھپانے والی کیا بات ہے؟'' وہ بظاہر حیران ہوئی' مگر ذہن مزید الجھتا جا رہا تھا۔ مگر وہ بات کرتی گئی۔

زمر اوپر کمرے میں آ کر بیٹھی تو شدید غصے میں تھی۔ وہ صوفے پہ بیٹھا' سیل فون پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا' نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''میں سن رہا ہوں۔''

وہ چونک کر فارس کو دیکھنے لگی۔ ''کیا؟''

''وہی جو آپ کہنا چاہتی ہیں۔ بتائیں' کیا مسئلہ ہے؟''

اور اس ایک لمحے میں زمر کو لگا' اگر کوئی ایک شخص تھا جو واقعی تحمل سے اس کی ساری بات سنے گا تو وہ وہی تھا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔

''تم نے کوئی اتنا اندھا انسان دیکھا ہے کبھی جس کے سامنے ایک ہزار ثبوت لا کر رکھو' تب بھی وہ نہ مانے؟''

فارس نے نظر اٹھا کر سر سے پیر تک زمر کو دیکھا۔ ''جی۔ دیکھا ہے۔'' زمر غور کیے بنا کہہ رہی تھی۔

''لوگ اتنے اندھے کیوں ہو جاتے ہیں کہ نہ بات سنیں نہ سمجھیں؟''

''کیونکہ ان کے ایموشنز انوالوڈ ہوتے ہیں۔''

زمر بالکل چپ ہو گئی، پھر سر جھٹک کر رخ پھیر لیا۔ وہ چند لمحے اس کو دیکھتا رہا۔ ''آپ اور حنہ بیسمنٹ میں کیوں گئی تھیں؟'' مگر زمر کے پاس جواب تیار تھا۔

''حنین سے کہا تھا ایک کلائنٹ کے لیے کچھ کام کرنے کو، وہی دیکھ رہی تھی۔'' اسے پتہ تھا زمر جھوٹ نہیں بولتی، سو مطمئن ہو گیا۔ مگر وہ خود شدید غیر مطمئن تھی اور اس سب میں دراز میں رکھا کی چین اس کے ذہن سے یکسر محو ہو چکا تھا۔

جب کنجِ قفس مسکن ٹھہرا، اور جیب و گریبان طوق و رسن
آئے کہ نہ آئے موسمِ گل، اس دردِ جگر کا کیا ہوگا؟

نیچے تہہ خانے میں بیٹھی حنین موبائل پہ ٹائپ کر رہی تھی۔ ''او کے گڈ نائٹ۔'' فون رکھا تو خُمر کا اثر ہوا ہونے لگا۔ سکون ختم ہو گیا۔ وہ تو زخم پہ صرف برف کی ڈلی رکھ رہی تھی۔ ادھر برف پگھلی' ادھر جلن پھر سے شروع۔

جب سوچوں سے تنگ آ گئی تو شیخ کی کتاب اٹھائی اور وہیں فرش پہ بیٹھ گئی۔

پچھلے دو ماہ سے اس نے یہ کتاب نہیں پڑھی تھی۔ جب بھی تکلیف ہوتی' وہ ہاشم میں ''ڈسٹریکشن'' ڈھونڈتی۔ اب صفحے کھولے تو روشنی کا سا چمکتا دروازہ سامنے نظر آیا۔ اسے دھکیلا تو قدیم دمشق کی ایک دوپہر کھلتی چلی گئی۔

مدرسۃ الجوزیہ کے سامنے کا منظر نامہ زرد سا تھا۔ ایسے میں مسجد کے سامنے درخت تلے بیٹھی تھی۔ وہ تھک چکی تھی۔ تکان بہت شدید تھی اور اپنا آپ کمزور محسوس ہو رہا تھا۔

وہ کتنی دیر وہیں تپتی دوپہر میں بیٹھی رہی۔ قریب میں پانی کا جوہڑ تھا۔ وہ کنکر اٹھا اٹھا کر اس میں پھینکتی رہی۔ پانی میں دائرے بنتے رہے۔ دفعتاً اس نے قدموں کی چاپ سنی۔

سر اٹھایا تو ہر طرف سے لوگ چلتے ہوئے اس کے قریب آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے گرد دائرہ سا لگ گیا۔ ہجوم کا دائرہ۔ وہ سب اسے دیکھ رہے تھے' چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ الجھی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ تبھی لوگوں نے راستہ چھوڑا اور حنہ نے دیکھا' اس کے باریش شیخ استاد قدم قدم چلتے آ رہے ہیں۔ وہ اسی طرح بیٹھے ان کو ٹکر ٹکر دیکھے گئی۔ وہ اس کے قریب آ ٹھہرے۔ تاسف بھری مسکراہٹ سے اس کا چہرہ دیکھا۔ تبھی ایک صدا لگانے والے نے صدا لگائی۔

''کیا ہے اس شخص کی دوا جس کو ایک لاعلاج مرض نے یوں جکڑ لیا ہو کہ اس کا دین اور دنیا دونوں برباد ہونے والے ہوں؟''

شیخ نے گہری سانس بھری۔ ''اللہ نے اتاری ہے ہر مرض کی دوا۔ جو اسے جانتا ہے وہ اسے جانتا ہے' جو اسے نہیں جانتا' وہ اسے نہیں جانتا۔''

اور تب حنہ نے دیکھا کہ شیخ کے ساتھ کوئی موجود ہے۔ اس پرانے زمانے کے پرنٹ میں ایک رنگیں لڑکی۔ اس کی عینک لگی تھی' بالوں کی فرنچ چوٹی تھی۔ چہرہ تازہ اور شاداب تھا' اور وہ حنین کی طرف اشارہ کر کے شیخ سے پوچھ رہی تھی۔

''اسے کیا مرض لاحق ہے؟''

درخت تلے بیٹھی حنہ نمک کا مجسمہ ہو گئی۔ ششدر۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ساتھ والی لڑکی سے گویا ہوئے۔

''اسے مرضِ عشق ہے۔''

حنین ایک دم بدک کر کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا۔ ''یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ میں یہاں نہیں ہوں' میں وہاں ہوں'' اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہاں... یہاں تو وہ بیٹھا ہوتا تھا۔ وہ لاغر' کمزور' ہڈیوں کا پنجر... وہ بیمار شخص۔ مجھے... مجھے کوئی بیماری نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' دونوں بازو سینے پہ پھیلائے' وہ وحشت سے کہہ رہی تھی۔ پھر قدم بڑھائے تو جوہڑ کنارے زنجیر پا ہوئی۔ پانی میں اپنا عکس جھلملایا۔ وہ ڈل' کمزور اور بے رونق چہرے والی' کہیں کھوئی کھوئی سی لڑکی۔ وہ واقعی اس کا چہرہ تھا۔ اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

''علاج کے لئے ضروری ہے کہ مریض کو اپنے مرض کا ادراک بھی ہو۔ وہ خود صحت یاب ہونا چاہے' تب ہی ہو سکتا ہے۔ کیا تم ٹھیک ہونا چاہتی ہو؟''

حنین کا گویا دل ہی ٹوٹ گیا۔ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

''یہ میں نہیں ہوں۔ یہ میں نہیں ہو سکتی۔'' ہاتھ مٹی پہ رکھے وہ رونے لگی تھی۔ ''میں اس بیمار شخص جیسی نہیں بننا چاہتی۔ میں کیا کروں، شیخ؟'' وہ پنجوں کے بل اس کے ساتھ بیٹھے۔

''میرے پاس تمہارے مرض کا علاج ہے۔ اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔'' وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ ''دوائے شافی کے سفر پہ۔ تم چلو گی' لڑکی؟''

حنین نے کتاب بند کی تو آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں رگڑیں۔ ''مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے نہیں پڑھنا اس کتاب کو۔'' اس نے گھٹنوں میں سر دے دیا۔ برف کی ڈلی لگانا' زخم پہ مرہم لگانے سے زیادہ آسان تھا۔

❖❖❖

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں ..... کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

وہ صبح چمکیلی اور گرم طلوع ہوئی تھی۔ اوائل ستمبر کے دن تھے۔ جس میں کمی تھی مگر گرمی ہنوز ویسی ہی تھی۔ انیکسی میں ناشتے کی خوشبو بلی تھی۔ فارس آفس کے لئے تیار' چائے پی رہا تھا۔ زمر ہاشم کو فون کر کے سالگرہ کی تقریب کے ملتوی ہونے کا بتا کر معذرت کر رہی تھی اور سیم اس پہ خوش نہ ہونے کے باوجود خاموش تھا۔

اسی دوران حنہ نے فارس سے کہا کہ اسے ریسٹورانٹ چھوڑ دے۔ ہامی بھر کر وہ کہنے لگا۔

''جیسے زمر کی کلائنٹ کے لیے کیا' ویسے ہی میرا ایک کام کر دو گی؟''

حنہ نے چونک کر زمر کو دیکھا۔ زمر نے بظاہر اطمینان سے فون رکھا اور ادھر آئی۔

''فارس پوچھ رہا تھا کہ رات ہم بیسمنٹ میں کیا بات کر رہے تھے تو مجھے بتانا پڑا کہ کس طرح تم نے میری کلائنٹ کے کانٹیکٹ کا کاؤنٹ کھول کر دکھایا مجھے۔'' آنکھوں میں اشارہ کیا۔ حنین نے نظریں جھکا دیں۔ ''جی۔ کر دوں گی۔''

وہ چابی اور والٹ لینے اٹھ گیا۔ میز کے گرد وہ دونوں رہ گئیں۔ ابا اور سیم کافی فاصلے پہ ٹی وی کے آگے بیٹھے تھے۔

حنین نے صرف ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی۔

''کیا یہ دھمکی تھی؟ کہ اگر میں نے یہ کانٹیکٹ ختم نہیں کیا تو آپ ماموں کو بتا دیں گی؟''

زمر نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں اس سے نہیں' ہاشم سے بات کروں گی اب' اور جس دن میں نے ہاشم سے بات کی نا' وہ تمہاری طرف دیکھنے سے بھی جائے گا' س لئے بہتر ہے کہ تم خود سے رابطہ ختم کر دو۔'' اسے گھورا۔ بہت ہو گئی نرمی اور لاڈ۔

حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (''میں کیا کروں' اللہ تعالیٰ؟'') پھر ٹی وی پہ نگاہ پڑی۔ ابا چینل بدلتے ہوئے ایک لوکل کیبل چینل پہ رکے، جس پہ تلاوت لگی تھی۔ ایک ہی نظر میں حنہ نے پہلی سطر پڑھی۔

''وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ..(اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف)...'' مگر فارس واپس آ گیا تھا اور زمر سے کچھ آہستہ آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''جب میں رہا ہوا تو سعدی نے مجھے بتایا کہ اس نے جج کو بلیک میل کیا ہے۔ اس کے پاس جج کے خلاف مواد تھا۔ وہ مواد مجھے اس کی چیزوں سے نہیں ملا۔''

''اس کے لیپ ٹاپ میں بھی کچھ نہیں ہے۔ اس نے یقیناً جج کو واپس کر دیا ہو گا۔''

حنین بے دھیانی سے سننے لگی۔ ندرت اپنا مگ اٹھائے آ بیٹھیں تو ان کی بات پہ رخ موڑ لیا۔ یہ باتیں ان کو عجیب سی وحشت میں مبتلا کرتی تھیں۔ مگر وہ ان کو ان پیچیدگیوں میں پڑنے سے روک بھی نہیں سکتی تھیں۔ فارس کہہ رہا تھا۔

''مگر سعدی نے ایک کاپی ضرور رکھی ہو گی اور کوئی اس بارے میں ضرور جانتا ہو گا۔''

زمر کھڑی ہوئی۔ ''اس 'کوئی' کو ریسٹورانٹ بلاؤ' اور اس سے کہو کہ انسانوں کی طرح سب اگل دے' ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔''

قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال کی اونچی کھڑکیوں سے سبزہ زار پہ حنہ اور فارس کار میں بیٹھتے نظر آ رہے تھے۔ اگر ہال میں دیکھو تو سر براہی کرسی پہ بیٹھی جواہرات تمکنت سے گردن اٹھائے خاور کو دیکھ رہی تھی۔ ہاشم بھی ناشتہ کرتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ مودب سا کھڑا کہہ رہا تھا۔

''.... بظاہر یہ صرف گیس لیکج کی وجہ سے ہوا۔ مگر ڈاکٹر بخاری اور ڈاکٹر ایمن نے کھلم کھلا نیاز بیگ کے بھائی کو الزام دینا شروع ا دیا۔ اس کے خلاف ایک کیس بڑھ گیا۔''

''ہاں تو مسئلہ کیا ہے؟ ان کے آپس کے مسئلے ہیں یہ۔'' جواہرات نے ناک سے مکھی اڑائی۔ خاور ہلکا سا مسکرایا۔

''مسئلہ یہ ہے مسز کاردار کہ سب کچھ بہت پرفیکٹ تھا۔ گارڈز کو مارا نہیں گیا' جلنے نہیں دیا' بلکہ آگ سے دور کر دیا گیا' اسٹر لائٹس آف ہوگئیں' آگے پیچھے کے سی سی ٹی وی خراب کر دیے گئے۔ علیم بیگ ایک غنڈہ ہے' اور غنڈے ایسی پرفیکشن سے کام نہیں کرتے۔''

''فارس!'' ہاشم نیپکین سے لب تھپتھپاتے پیچھے ہو کر بیٹھا۔ ''یہ فارس نے کیا ہے' ہے نا؟''

خاور نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے بھی یہی لگا' یہ اسی کا اسٹائل ہے' مگر اس رات وہ گھر پہ ہی تھا۔ گارڈز نے اسے آتے دیکھا... اور پھر صبح جاتے دیکھا۔ وہ رات گھر سے نہیں نکلا۔ یہی بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔''

''ہوسکتا ہے اس نے کسی اور کے ذریعے یہ کام کروایا ہو۔''

''بہرحال میں پتہ کر رہا ہوں۔'' وہ چلا گیا تو نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ نیند سے بھری آنکھیں' اور سست انداز کرسی پہ ڈھے سا گیا۔ ذرا حواس بیدار ہوئے تو گفتگو کی طرف توجہ کی۔ جواہرات' فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

''اس ڈاکٹر نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی۔ اس کے شوہر نے سعدی کو غائب کروایا۔ یقیناً فارس نے ان سے بدلہ لیا ہے۔''

''ضروری نہیں ہے یہ اس نے کیا بھی ہو۔ وہ ابھی جیل سے آیا ہے۔ مزید ٹربل افورڈ نہیں کر سکتا۔'' ہاشم پر یقین نہیں تھا۔ پھر شیر ا دیکھا جو اپنے ناشتے کو ڈھکا شیشے کا کورا ٹھا رہا تھا۔ ہاشم مسکرایا۔

''یعنی نوشیرواں کاردار آج آفس وقت پہ آئیں گے۔''

شیرو نے جمائی روکتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

''لیکن سعدی پھر ہمارے لئے لازمی کام کرے گا۔'' شرط یاد دلائی۔

''بالکل۔ میں تین چار دن تک جاؤں گا اس سے ملنے۔ جو تفصیلات چاہئیں وہ لے کر ہی آؤں گا۔'' سیل فون اٹھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''تم سعدی سے چھٹکارا حاصل کرو ہاشم۔ وہ تمہیں نقصان دے گا۔''

''کچھ نہیں کر سکتا وہ۔'' بے نیازی سے سر جھٹکتے وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔

.....❖❖❖.....

اس مال کی دھن میں پھرتے تھے ..... تاجر بھی بہت، رہزن بھی کئی

''چلیں۔'' حنہ کار میں آ کر بیٹھی تو فارس کال پہ کسی سے بات کر رہا تھا' سر ہلا کر فون رکھا۔

''ہم ایک جگہ سے ہو کر ریسٹورانٹ جائیں گے۔ گیس کرو کس نے کال کر کے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے؟'' اس کے الفاظ پہ حنہ چونکی تھی۔

جس وقت وہ دونوں ریسٹورانٹ کی طرف جاتی سڑک پہ گامزن تھے' قصرِ کاردار کی چار دیواری کے ساتھ خاور محتاط نظروں سے دیوار کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ دیوار کا وہ حصہ تھا جو فارس کی انیکسی کے عقب میں تھا۔ اس کے پیچھے سڑک تھی۔ آنکھیں سکیڑ کر دیکھتا' وہ ایک جگہ رکا۔ یہاں ایک لوہے کا دروازہ تھا۔ جو زمانوں سے بند پڑا تھا۔ اس پہ پرانا تالہ لگا تھا۔ اس جگہ گارڈز نہیں تھے' نہ کیمرے۔ خاور کچھ متذبذب سا اسے دیکھتا رہا' پھر جھک کر تالے کو چھوا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ابھری۔

تالہ پرانا تھا' اور زنگ آلود بھی۔ مگر... اس کے مقفل ہونے کی جگہ پہ زنگ نہیں تھا۔ جیسے تیل وغیرہ ڈال کر صاف کیا گیا ہو۔ چابی گھسانے والی جگہ کا زنگ بھی صاف تھا۔

(سو فارس غازی رات کو ادھر سے نکلتا تھا۔ گڈ' گڈ!) اس کے ہاتھ خزانہ لگ گیا تھا۔

فارس اور حنین ریسٹورانٹ میں داخل ہوئے تو ایک دم حنہ رکی۔ تعجب سے فارس کو دیکھا اور شکل یوں بنائی جیسے حلق تک کڑوا ہو گیا ہو۔

سامنے ایک کونے والی کرسی پہ تازہ دم اور خوبصورت' شہرین کاردار بیٹھی تھی۔ لبوں پہ سرخ لپ اسٹک اور سنہرے بالوں کی چھوٹی سی پونی۔ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر کھڑی ہوئی۔ اس پہ نظر پڑی تو مسکراہٹ میں کمی آئی۔

''تو آپ چھپ چھپ کر اس سے ملتے ہیں؟'' اس کی دودھیالی محبت پھر سے جاگی۔

''بکومت۔ اس نے پہلی دفعہ ملنے کا کہا ہے۔ کوئی کام تھا۔'' اسے گھرک کر وہ آگے آیا۔ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ حنین بھی (منہ بناتی) ساتھ بیٹھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا تمہاری بھانجی بھی تمہارے آفس جاتی ہے۔'' شہری کو حنہ کا آنا ناگوار گزرا تھا۔ حنین نے صرف ایک کاٹ دار نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہم ضروری کام سے جا رہے تھے' تمہارے فون پہ...'' فارس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ ''پندرہ منٹ نکالے ہیں۔ اب بتاؤ' کیا بات تھی؟''

ایک لمحے کے لئے شیری کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے' پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔

''میں سعدی کے کیس کا پوچھنا چاہتی تھی۔ میں نے سنا تھا کوئی مہنگی گن استعمال ہوئی ہے۔ سعدی کی شوٹنگ میں۔ اگر تم کہو تو...'' ہاتھ میز پہ باہم ملا کر رکھتی آگے ہوئی۔ ''تو میں پاپا سے کہہ کر اس گن کے لائسنس نکلوا سکتی ہوں' تاکہ...''

''میں یہ کام ڈھائی ماہ پہلے کر چکا ہوں۔ جن لوگوں کے پاس وہ گن ہے' ان میں سے کوئی ایک بھی ہمارا دوست ہے نہ دشمن۔''

''تو پھر... وہ گن کس کی ہوگی؟''

''ظاہر ہے اس کا نام اور ریکارڈ لسٹ سے مٹا دیا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

''کون سی گن تھی وہ؟''

''آپ کو گنز کے بارے میں کتنا پتا ہے شہرین؟'' حنین رہ نہیں سکی۔ شہری نے تنک کر اسے دیکھا۔ پھر پرس سے ایک Cobilt (پستول) نکال کر میز پہ رکھی۔

''اگر آپ ہاشم کاردار کی بیوی ہوں اور شوٹنگ کلب کی ممبر بھی ہوں' تو آپ کو گنز کے بارے میں بہت علم ہوتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے تمہارے' ہاشم اور شیرو کے پاس کون کون سی گن ہے۔'' ذرا اکتا کر اسے ٹوکا۔ ''مگر جو برانڈ گن استعمال ہوئی ہے' وہ ماڈل آگے پیچھے کسی کے پاس نہیں ہے۔ گلاک جی فورٹی ون۔''

اور شہرین کا سانس اٹک سا گیا۔ بمشکل آنکھوں کو اس پہ رکھے مسکرا پائی۔

''جی فورٹی ون؟ اچھا۔'' وہ رکی۔ تاثرات پہ قابو پا لیا۔ وہ گنز کی بات کرنے ہی نہیں آئی تھی۔ وہ تو حنہ کو دیکھ کر بات بنانی پڑی۔ اگر اس نے پہلے چیک کر لیا ہوتا کہ... اونہوں۔

''اگر کچھ اور نہیں ہے تو ہم جائیں؟'' وہ فون جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا۔ شہری نے جبری مسکرا کر سر کو خم دیا۔

حنہ بھی بے دلی سے اٹھی۔ تبھی نگاہ سامنے دیوار پہ جا ٹھہری جہاں بڑی سی کیلی گرافی آویزاں تھی اور اس پہ خطاطی سے لکھا تھا۔

''وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحل''۔ حنین کی آنکھیں سکڑیں۔ صبح والی ٹی وی اسکرین یاد آئی۔ مگر سر جھٹکا۔ یہ صرف ایک اتفاق تھا۔ فارس کے ساتھ وہ باہر نکلی تو ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔

''خواہ مخواہ ٹائم ضائع کروایا اس پلاسٹک نے۔'' وہ سخت کوفت کا شکار لگ رہی تھی۔

فارس نے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''پلاسٹک کیا؟''

''یہ شہرین...اس کا تعلق Plastics سے ہے۔ آپ کو نہیں پتہ Plastics کا؟'' تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر ٹیک لگا کے بتانے لگی۔ ''یہ اپر مڈل کلاس اور ایلیٹ میں پائی جاتی ہیں۔ بچپن سے ان کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ بھاری کتاب سر پہ رکھ کر سیدھا چلنے کی، ہونٹوں کو مخصوص زاویے پہ رکھنے کی۔ جب بھی کھڑی ہوں گی' کہنیاں برابر اور ہاتھ تین انچ کے فاصلے پہ ہوں گے۔ چہرے کو بالکل سپاٹ اور گردن کو اٹھا ہوا رکھتی ہیں۔ وائٹ اور بیج کا ہر شیڈ ان کے پاس ہوتا ہے۔ بے حد دبلی پتلی اور ڈائٹ کانشس ہوتی ہیں۔ دراصل اینوریکسک ہوتی ہیں۔ فاقے کرتی ہیں۔ کسی دن کچھ زیادہ کھالیں تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دیتی ہیں۔ اس شدید جسمانی مشقت کے بعد ان کے چہرے پہ گویا خول سا چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ پلاسٹک پلاسٹک لگنے لگتی ہیں۔'' وہ خبرنامہ پڑھنے کے انداز میں بتا رہی تھی۔

ڈرائیو کرتا فارس بے اختیار ہنس دیا۔

''اچھا.....ویسے تمہاری پھپھو کیا ہیں؟''

''وہ پلاسٹک تھوڑی ہیں۔ وہ نیچرل ہیں۔'' ذرا قریب ہو کر آہستہ سے بولی۔ ''مگر نیچرل سیسہ!''

''وہ بھی کھولتا ہوا۔'' وہ بڑبڑایا اور پھر دونوں ہنس پڑے۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ریسٹورانٹ قریب تھا۔

.....❖❖❖.....

مجھے شکوہ ہے مرے بھائی کہ تم جاتے ہوئے ..... لے گئے ساتھ مری عمرِ گزشتہ کی کتاب

احمر شفیع جب ریسٹورانٹ میں داخل ہوا تو دیکھا' سامنے ایک میز کے پیچھے وہ تینوں بیٹھے تھے۔ کسی انٹرویو پینل کے انداز میں۔ بار بار گھڑی دیکھتا' کان کی لو مسلتا فارس' گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی' منتظری زمر' اور انگلیاں مروڑتی گردن جھکائے بیٹھی حنین۔ احمر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

(چلو جی۔ سارا پاگل خاندان اکٹھا جمع ہے' احمر شفیع کی کلاس لینے۔ ان کو بے عزتی کرنے کے لئے کوئی اور نہیں ملتا؟) منہ بناتا آگے آیا' سلام کیا۔ جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ پھر بھی مسکرا کر سامنے بیٹھا۔

''مجھے ہارون عبید کے ساتھ ایک گھنٹے میں چترال جانا ہے' اس لئے...''

''سعدی نے جج کو کس چیز سے بلیک میل کیا تھا۔'' فارس نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ احمر نے گہری سانس بھری۔ (ہو گئی کلاس شروع!)

''مسز زمر کانوں پہ ہاتھ رکھ لیں تو میں بتانا شروع کروں؟'' معصومیت سے پوچھا۔ زمر نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''میں سن رہی ہوں۔''

احمر نے تھوڑی کھجائی۔ ''سعدی نے مجھے ایک بورڈ کے آفیسر کانفیڈینشل پریس (او سی پی) کے بارے میں بتایا تھا جو کہ ایک کرپٹ آدمی تھا، اور ہر سال پیپر لیک کیا کرتا تھا۔''

حنین یوسف کا سانس رک گیا۔

ذرا دیر کے لیے احمر اور ان تینوں کو یہیں چھوڑ کر ہم پچھلے سال کے جنوری میں واپس جاتے ہیں جب سعدی اوسی پی صاحب کے گھر گیا تھا۔ وہ ایک گلٹ سے بھرا دل اور جھکے کندھے لے کر وہاں آیا تھا۔ آنٹی کے پاس ڈرائنگ روم میں سر جھکائے بیٹھے' اس نے بھاری ضمیر سے کہا تھا۔

''میں ان کی وفات کے اتنے عرصے بعد آ رہا ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہے ان کا۔'' (یہ حنین کے بتانے کے ایک ماہ بعد کا ذکر ہے۔)

''کوئی بات نہیں جو تمہاری بہن نے کیا' وہی ہمارے لئے بہت ہے۔'' اس نے چونک کر سر اٹھایا' مگر آنٹی بہت محبت اور سادگی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ وہی جانتی تھیں' جو حنہ نے کیا۔ وہ نہیں جو ان کے شوہر نے کیا۔ اور جس کا گلٹ ان کو لے کر ڈوبا۔ وہ چائے کے لئے اٹھیں تو سعدی نے سر ہاتھوں میں گرائے' بے اختیار دعا مانگی۔

''اللہ تعالیٰ' میں آپ کے سامنے اپنی بہن کی غلطی کو جسٹی فائی نہیں کروں گا۔ میں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔ لیکن اس کی نیت ان کی جان لینے کی نہیں تھی۔ اللہ' آپ کو پتہ ہے کہ اس کو علم نہیں تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ پلیز میری مدد کریں' میں کسی طرح ان کی فیملی سے معافی مانگ سکوں' ایک ایماندار افسر کے ضمیر کی قیمت لگانے کے بوجھ سے دل کو آزاد کر سکوں۔ جو آپ پہ بھروسہ کرتے ہیں' آپ ان کو رسوا نہیں کرتے۔ پلیز مجھے اس بوجھ سے نکال لیں۔'' چہرے پہ ہاتھ پھیر کر وہ سیدھا ہوا۔ آنٹی چائے لا رہی تھیں۔

''انکل کی ڈیتھ ہارٹ اٹیک سے ہوئی تھی' کیا زیادہ پریشان رہتے تھے آخری دنوں میں؟'' وہ نظریں ملائے بنا پوچھ رہا تھا۔

''نہیں' ٹھیک تھے بالکل' بیٹی کی شادی ہو گئی تو مطمئن تھے۔ بلکہ خوش بھی تھے۔'' سعدی نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ دیوار پہ ان کی بیٹی کی شادی کے فوٹو شوٹ کی چند فریمز لگی تھیں۔ خوبصورت' جگر جگر کرتے لباس میں موجود تھیں' اور گھر کی عورتیں۔ قیمتی زیور۔ سعدی کی نگاہیں ڈرائنگ روم میں ادھر ادھر دوڑیں۔ قیمتی پردے' ڈیکوریشنز۔ اس نے سر جھٹکا۔

''آخری دن کیسے تھے؟ اس دن رزلٹ آیا تھا نا۔''

''بالکل ٹھیک تھے سعدی۔ نارمل باتیں کر رہے تھے اور بلکہ جسٹس صاحب سے بھی ٹھیک گپ شپ کرتے رہے۔ وہ تو ان کے جانے کے بعد کافی دیر سے میں ان کے کمرے میں گئی تو...'' سرنفی میں ہلا کر آنٹی نے آنکھ کا کنارہ صاف کیا' لیکن سعدی یوسف خان کا دماغ ایک جگہ اٹک چکا تھا۔

''کون جسٹس صاحب؟''

''ان کے بڑے اچھے دوست ہیں' جسٹس سکندر' سیشن کورٹ میں ہوتے ہیں' وہ ملنے آئے تھے نا حمیرا کے ابو سے۔ کمرے میں ان سے باتیں کرتے رہے' ہم لوگ باہر لاؤنج میں تھے۔ وہ نکلے تو بتایا کہ اوسی پی صاحب ابھی کام کر رہے ہیں' کہہ رہے ہیں بچے شور نہ کریں۔ میری بڑی بیٹی کے دو بچے بھی آئے ہوئے تھے نا۔ ان کے جانے کے کافی دیر بعد' میں اور حمیرا اندر آئے تو دیکھا' وہ فوت ہو چکے تھے۔ استعفیٰ بھی لکھا پڑا تھا۔''

سعدی ایک دم آگے ہو کر بیٹھا۔ ''آپ نے... آپ نے ڈاکٹر کو بلایا تھا؟''

''ہاں' ڈاکٹر نے بتایا ہارٹ اٹیک سے موت ہوئی ہے۔''

''آپ نے پوسٹ مارٹم کروایا تھا؟''

''نہیں بیٹا' اس کی کیا ضرورت تھی۔ میرے بیٹے نے کہا بھی تو ان کے دوستوں' رشتے داروں نے منع کیا کہ لاش کی بے حرمتی ہوتی

ہے ایسے۔''

''جی' بالکل میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔'' جبراً مسکرایا۔ بے چینی سے پہلو بدلا۔ (یعنی بیٹے کو معلوم ہو گیا تھا؟)

''ان کا کمرہ دیکھ سکتا ہوں میں؟ ان کا کمپیوٹر وغیرہ؟''

''بیٹا کمپیوٹر اور فائلز تو محکمے والے اٹھا کر لے گئے تھے۔ کمرہ دیکھ لو تم۔ اپنے گھر کے بچے ہو۔ صفائی وغیرہ کرتی ہوں' مگر ان کی باقی چیزیں نہیں چھیڑتی۔''

وہ اسے ایک کمرے میں لے آئیں۔ وہ بیڈروم چھوٹا مگر پرتعیش تھا۔ گھر کافی دفعہ رینوویٹ ہوا لگتا تھا۔ سعدی کے جھکے کندھے اٹھ چکے تھے اور بھاری دل ہلکا ہو رہا تھا۔ وہ ان کی کتابیں دیکھتا رہا۔ آگے پیچھے۔ کوئی کاغذ' کوئی فائل نہیں چھوڑی تھی ''محکمے والوں'' نے۔ دفعتاً وہ رکا۔ اسٹڈی ٹیبل کے وسط میں کپ رکھا تھا۔ اس میں چند پین تھے۔ ایک پین مختلف تھا۔ سعدی نے وہ سلور پین اٹھایا اور ڈھکن کھولا۔ اندر یو ایس بی پلگ تھا۔ اس نے جلدی سے ڈھکن بند کیا۔ پھر آنٹی کی طرف مڑا۔

''مجھے انکل سے بہت عقیدت تھی' اگر آپ کو برا نہ لگے تو ان کا ایک قلم رکھ لوں؟ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا رہے گا۔''

اور آنٹی نے کھلے دل سے اجازت دے دی۔ وہ ان سے چارجر نہیں مانگ سکتا تھا' لیکن کوئی بات نہیں' چارجر کہیں سے خرید لے گا۔

انسانی عقل مہینوں، سالوں لگی رہتی ہے، کسی ایک کلیو کی تلاش میں، جیسے سعدی لگا تھا، اتنے دن سے جج کے کمپیوٹر میں کوئی ایک کام کی چیز تلاش کر رہا تھا، مگر جب عقل تھک جاتی ہے، تو ایک دم سے سب سے قیمتی چیز انسان کی جھولی میں پکے پھل کی طرح گرا دی جاتی ہے۔ آگ لینے کے لیے جانے والوں کو پیغمبری مل جاتی ہے۔ وہ لمحہ، الہام کا لمحہ ہوتا ہے..... کچھ لوگ اسے ''اتفاق'' کہتے ہیں۔ ایمان والے اسے ''مدد'' کہتے ہیں۔۔۔

اور آج احمر شفیع زمر اور فارس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''سعدی ان کی تعزیت کے لئے ان کے گھر گیا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک گلٹی احساس لئے ادھر گیا تھا' ان کی فیملی کو وہ پہلے سے جانتا تھا۔'' احمر سانس لینے کو رکا۔ ان کو متوجہ پا کر مسکرایا۔ ''ویسے میری کنسلٹنسی فیس...''

''کام کی بات پہ آؤ!'' فارس ایک دم برہمی سے کہتا آگے ہوا تو وہ ہاتھ اٹھاتے جلدی سے ذرا پیچھے ہوا۔ ''بتا رہا ہوں' بتا رہا ہوں۔'' گہری سانس لی۔ ''ان کی چیزوں میں سعدی کو ایک پین کیمرہ ملا۔'' (زمر نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔ اُف۔) ''اس پین کے ذریعے اوسی پی صاحب جج کی ویڈیوز بناتے تھے۔ وہ کانفیڈینشل پریس کے آدمی تھے۔ ان کے پاس بہترین gadgets تھے۔ وہ پین چھوٹا سا تھا' اس میں جیمر لگا تھا' جو اس کو ڈٹیکٹرز کے باوجود ناقابلِ گرفت بناتا تھا۔ بہرحال اس پین میں کچھ ویڈیوز تھیں۔ کالے دھندوں کے اعتراف کی ویڈیوز۔ سعدی نے تمہارے رہا ہونے کے بعد وہ تمام ویڈیوز مٹا دیں' سوائے ایک کے۔ اس ویڈیو میں جج اور اوسی پی کی آخری ملاقات تھی' اور وہ ایک terrible ویڈیو تھی۔ اوسی پی نے صرف یہ سوچ کر کیمرہ آن رکھا تھا کہ جج کی دھمکیوں کو ریکارڈ کرے گا، اس لیے اس نے استعفیٰ بھی آرام سے لکھ دیا۔ مگر.....'' اس نے جھرجھری لی۔ ''اس ویڈیو کی وجہ سے جج نے غازی کو رہا کیا۔''

''اب وہ پین کہاں ہے؟'' فارس کے سوال پہ احمر نے شانے اچکائے۔ زمر جلدی سے بولی۔ ''میں سعدی کی چیزیں دوبارہ دیکھوں گی' مل جائے گا!'' ذرا رکی۔ ''لیکن اگر جج کے طاقتور مجرم دوست ہیں' تو اس نے فارس کو رہا کرنے کی بجائے ان دوستوں سے مدد کیوں نہیں مانگی۔''

''مسز زمر' آپ وہ ویڈیو دیکھیں گی' تو جان لیں گی کہ کوئی بھی اپنے ساتھی مجرموں کو ایسی چیز کی ہوا نہیں لگنے دے سکتا۔ وہ اس کی مدد کرتے' لیکن پھر اس کی کمزوری کے ذریعے اس کو غلام بنا لیتے۔ غازی کو رہا کرنا زیادہ آسان تھا۔''

''تو اوسی پی صاحب نے خودکشی کیوں کی تھی؟'' حنین انہی گیلی شاکی نظروں سے احمر کو دیکھ کر بولی تو احمر نے اسے دیکھا' پھر فارس

کو۔ پھر شانے اچکائے۔ ''اس ویڈیو اور سعدی کے مطابق' اوسی پی صاحب کو قتل کیا گیا تھا۔ ان دونوں کا آپس میں لین دین کا کوئی تنازعہ تھا۔''

''سعدی نے آپ کو خود یہ بتایا؟'' حنین کی آواز غصے سے بلند ہوئی۔ احمر نے سنبھل کر ''جی۔'' میں سر ہلایا۔

حنین نے گلے بھری نظر زمر پہ ڈالی۔ احمر کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ کون ہیں؟ ان کو کیوں بتایا؟ میں بہن تھی۔ مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' ایک دم سے سچوئیشن آکورڈ ہوگئی تھی۔ فارس احمر کو اشارہ کرتا اٹھ گیا۔ وہ دونوں چلے گئے تو حنین نے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑے۔ ''بھائی کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں سمجھتی رہی میں نے ان کی جان لی ہے۔

''حنین یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کیونکہ ہمیں سعدی نے کچھ نہیں بتایا۔ رہی اوسی پی کی بات، تو میں نے تمہیں کہا تھا نا، ان کے لیے پیپر زدینا آسان تھا کیونکہ وہ یہ کام پہلی دفعہ نہیں کر رہے تھے۔''

''مگر جب میں نے ان سے کہا تو ان کے تاثرات..... وہ بالکل ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔''

''کیونکہ حنہ جس چیز کو وہ اتنے سال پیسوں کے بدلے بیچتے آئے تھے، پہلی دفعہ وہ انہیں اپنے خاندان کی عزت کے بدلے بیچنی پڑی۔ یہ جھٹکا کسی کو بھی ہلا سکتا ہے۔''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا، اور آنسو رگڑے۔ ''میں نے ان کی جان نہیں لی۔ لیکن میں پھر بھی قصوروار ہوں۔ بلیک میل اور چیٹنگ کی۔''

''حنین دنیا میں تمہارے آس پاس کوئی ایسا انسان نہیں ہے جس سے کبھی کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ گناہ کے بعد تم کیا کرتی ہو۔''

''میں نے توبہ کی تھی، سچے دل سے۔''

''توبہ یہ نہیں ہوتی کہ اس گناہ کا ڈپریشن لے کر ہر شے تیاگ کر بیٹھ جاؤ۔ توبہ مایوسی اور خود اذیتی کا نام نہیں ہے۔''

''تو پھر کیسے کی جاتی ہے توبہ؟'' وہ ہلکا سا بولی۔

''توبہ النصوح کا مطلب ہے..... انسان کو احساسِ گناہ ہو' پھر ندامتِ گناہ ہو' پھر معافی مانگے اور اگر کوئی کفارہ ہے تو وہ ادا کرے۔ پھر دوبارہ وہ کام نہ کرنے کا عہد کرے' اور پھر اچھے کام کرے۔ توبہ مثبت سوچ کا نام ہے۔ فریش اسٹارٹ لینے کا۔ نئی زندگی کے آغاز کا۔''

''اور پھر سب معاف ہو جاتا ہے؟''

''ہاں سب معاف ہو جاتا ہے۔ مگر ہر گناہ سے بڑا گناہ پتہ ہے کیا ہے؟ اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرنا۔''

حنین نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے بے اختیار اپنی کتاب اور شیخ یاد آ رہے تھے

''ہاشم سے یوں بات کرنا' ایگزام سے بڑی چیٹنگ ہے۔ یہ سعدی اور فارس کے ساتھ چیٹنگ ہے۔'' اس کا فون بجنے لگا تو گفتگو ختم ہوگئی۔ حنین اٹھ کھڑی ہوئی۔ زمر نے موبائل اٹھاتے ہوئے اسے پکارا۔

''مجھے وہ پین مل گیا ہے حنین۔'' حنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''مگر اس کی بیٹری ختم ہے۔ اس کا چارجر ڈھونڈ دو مجھے' اور ہم اس کو کھول لیں گے۔ ابھی فارس یا احمر کو نہیں بتانا۔ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔''

اس کو وہیں چھوڑ کر زمر گل خان کی تلاش میں نکل آئی۔

جو تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں!

چند منٹ بعد وہ اس زیرِ تعمیر مکان میں کھڑی تھی۔ وہ اب تعمیر کے آخری مرحلے میں تھا۔ دروازے لگ چکے تھے۔ سیمنٹ ہو چکا تھا۔ ایسے میں اس کی چھت پہ بنے ایک کمرے (جو تین ماہ پہلے کھلا میدان تھا' اور جہاں سارہ چھپی تھی۔) گل خان ساتھ کھڑا مایوسی سے ادھر

ادھر زمین پہ ہاتھ مار رہا تھا۔ پھر ہاتھ جھاڑتے اٹھا۔

''وہ موتی ادھر ہی چپکے تھے باجی۔ بعد میں فرش برابر ہوا تو گم ہو گئے۔''

''کس کے موتی؟ اور تم نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ سعدی کاکی چین تمہیں کہاں سے ملا؟'' وہ دونوں اب گھر کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

''باجی' ہمارا تایا ادھر مزدوری کرتا ہے' اسے سعدی بھائی نے یہاں نوکری دلوا کر دیا تھا۔ بھائی کو گولی لگنے کے تیسرے یا چوتھے دن اس گھر کا ٹھیکیدار ہمارے گھر آیا' تایے کو بولا کہ کسی عورت کا پرس ادھر گرا ہے' اس گھر میں' کس نے اٹھایا ہے؟ تایے نے بولا ہم ڈھونڈ دے گا۔ وہ ٹھیکیدار چلا گیا۔ مگر باجی یہ جوگل خان ہے نا' اس کا کھوپڑی بہت چلتا ہے۔'' وہ اب مرچ مسالہ لگا کر پورے ایکشن کے ساتھ کہانی بیان کر رہا تھا۔ ''ام کو تایے پہ شک ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ام نے تایے کا جاسوسی کیا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ الماری سے ایک گلابی رنگ کا بٹوہ نکال کر دیکھ رہا ہے۔ اس کو یہ ادھر چھت پہ پڑا ملا تھا۔ اس کا دو موتی ٹوٹا ہوا تھا اور سیمنٹ میں چپکا تھا۔ تایے نے پرس اٹھا کر اس جگہ بجری ڈال دی۔ یہ سارا بات اس نے اگلے دن ٹھیکیدار کو بتایا۔ ٹھیکیدار بہت دیندار آدمی ہے' پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے' اور صرف دو ٹائم ہیروئن بیچتا ہے' مگر اس نے کہا کہ بٹوہ عورت کو واپس کرنا ہے۔ تو تایے نے اس میں سے تھوڑے سے پیسے نکال کر الگ کیے اور بٹوہ الگ رکھا۔ بس ادھر تایا سویا' ادھر گل خان نے الماری پہ چھاپا مارا۔''

وہ تحمل سے سنتی ہوئی چلتی جا رہی تھی۔

''مگر اندر کیا دیکھتا ہے' کہ ایک ہیرے کی انگوٹھی ہے۔ یہ جگر جگر چمکتی۔ اور بھی پیسے ہیں۔ ایک دو انگریزی کے کارڈ بھی تھے۔ اور باجی... اس میں سعدی بھائی کا چابی بھی تھا۔''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''پھر؟''

''پھر ہم نے چابی اٹھا لیا۔ دیکھو باجی' ہم بھائی کا بہت وفادار ہے۔ ہم نے اسے حفاظت سے رکھا۔ پھر ہم پشور چلا گیا۔ واپس آیا تو...''

''تو اتنے دن مجھے کیوں نہیں دیا؟''

گل خان کی اس بات پہ سٹی گم ہو گئی۔ ''وہ... باجی... تمہارا بندہ ہر وقت آگے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔ ام کو اس سے ڈر لگتا ہے۔'' سر کھجایا۔ مگر اس نے دھیان نہیں دیا۔ واپس مڑی۔

''مجھے اس ٹھیکیدار سے ملواؤ۔ فکر نہ کرو' میں کی چین کا نہیں بتاؤں گی۔''

ٹھیکیدار کا منہ کھلوانے میں پانچ منٹ بھی نہیں لگے تھے' وہ فر فر بتانے لگا۔

''ایک عورت تھی۔ اس نے چادر کر رکھی تھی۔ چہرہ بھی ڈھک رکھا تھا۔ وہ میرے پاس آئی اور اپنے پرس کا پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک وکیل ہے اور یہاں اس قتل کیس کے سلسلے میں آتی جاتی رہتی ہے' اس لئے پرس کھو بیٹھی۔ میں نے ایک دو روز میں پرس ڈھونڈ کر دے دیا۔ وہ دوبارہ اسی گھر میں ملنے آئی تھی۔ اس نے پیسے بھی دیے مجھے مگر وہ خوش نہیں تھی۔ بار بار چابیوں کے گچھے کا پوچھتی تھی۔''

''کوئی اور بات جو اس کے بارے میں یاد ہو؟''

وہ سوچنے لگا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں میڈم جی۔ دبلی پتلی تھی' لڑکی سی لگتی تھی۔ ہاں رنگ گورا تھا اور آنکھیں ہلکے رنگ کی تھیں۔ نیلی سبز سرمئی۔''

''اگر وہ کبھی دوبارہ آئے تو آپ اس نمبر پہ مجھے بتائیں گے۔'' ایک کارڈ اسے پکڑاتے ہوئے اس نے تاکید کی تھی۔ جب وہ واپس

ئی تو سوچ میں گم تھی۔ ریسٹورانٹ میں داخل ہوئی اور سیدھی اوپر چڑھتی گئی۔
نیچے ریسٹورانٹ میں اِکا دکا لوگ تھے۔ حنین کونے والی میز پہ آبیٹھی اور ہتھیلی پہ چہرہ گرایا۔
(میں توبہ کر چکی ہوں' معافی مانگ چکی ہوں' مگر ہاشم کو کیسے چھوڑوں؟ نہیں انہوں نے بھائی کو کچھ نہیں بتایا' مگر مجھے پھر اتنا شک کیوں ہے؟)
سر جھٹک کر حنین نے سیل فون نکالا' اور پھر دوپٹہ سر پہ لیتے ہوئے آن لائن قرآن ڈاؤن لوڈ کیا۔ کتنے عرصے سے اس نے قرآن نہیں پڑھا تھا۔ اس کو وہ ایسے سمجھ نہیں آتا تھا جیسے سعدی بھائی کو آتا تھا۔ حالانکہ سعدی اور سیم نارمل ذہانت کے لوگ تھے' جینئس تو وہی تھی' تو ساری مات جینئس لوگ کیوں کھاتے ہیں؟
قرآن کھلا تو وہ بے دلی سے انگوٹھے سے اسکرین اوپر کرتی گئی۔ کرتی گئی۔ صفحات اوپر نکلتے گئے۔ بالآخر ایک جگہ وہ رکی۔ آنکھیں بند کیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جو بھی وہ آیت پڑھے گی' اس پہ عمل کرے گی' چاہے وہ یہ کیوں نہ کہے کہ عورتوں کو چھپے دوست نہیں بنانے چاہیے' یا پردہ کرنا چاہیے یا نگاہوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔
آنکھیں کھولیں اور اسکرین کو دیکھا۔
''اور اللہ ہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تاکہ زمین کو اس کی موت کے بعد اس سے زندہ کر دے۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اور ان لوگوں کے لئے جو غور سے سنتے ہیں۔''
(ہوں۔ بارش کا ذکر ہو رہا ہے یہاں۔ گڈ۔ آگے چلو) اس نے اگلی آیت پہ نظریں مرکوز کیں۔
''اور تمہارے لئے بے شک چوپائے مویشیوں میں ایک نشانی ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں ان کے پیٹوں سے' خون اور گوشت کے درمیان سے خالص دودھ' جو خوشگوار ہے پینے والوں کے لئے۔''
(مطلب کہ...؟ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ خون اور گندگی کو دودھ سے ملنے نہیں دیتا' یوں ہم خالص دودھ پی لیتے ہیں؟ ٹھیک ٹھیک!)
''اور پھلوں میں کھجور اور انگور۔ تم ان سے بناتے ہو نشہ آور چیزیں اور اچھا رزق۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو عقل رکھتی ہے۔''
(مطلب کہ...اونہوں۔ شراب کا میں نے کیا کرنا ہے؟ آگے چلو۔)
''اور تمہارے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف کہ بنا لے اپنا گھر پہاڑوں میں اور درختوں کے اوپر' اور اونچی چھتوں پہ۔ پھر کھا تمام پھلوں میں سے اور چل اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔ ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے نکلتا ہے ایک مشروب' مختلف ہے ہیں جس کے رنگ' شفا ہے جس میں لوگوں کے لئے' بے شک اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''
حنین نے ایک دم موبائل الٹا رکھ دیا۔ یہ تو وہی آیت تھی جو وہ آج تیسری بار...؟ کوئی سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی تھی گردن پہ ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ ایسے لگا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔
(بس' مجھے نہیں پڑھنا قرآن' نہ شیخ کی کتاب۔ یہ سب چیزیں ڈراتی ہیں۔) جھرجھری لے کر اٹھی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بہت دن بعد اس کا دل تھا کہ وہ کچھ کھائے' کچھ اچھا' اتنا اچھا کہ سب بھول جائے۔

.....❖❖❖.....

آ کے لے جاؤ تم اپنا یہ دمکتا ہوا پھول ..... مجھ کو لوٹا دو مری عمر گزشتہ کی کتاب

حنین نے اگلے تین چار روز خود کو کھانے' ٹی وی' کمپیوٹر گیمز اور ہاشم میں مصروف کر لیا' مگر بے سکونی بڑھ گئی تھی۔ نہ ان چیزوں میں دلچسپی رہی تھی' نہ ہاشم پہ اعتبار رہا تھا' زمر کے پاس بھی نہیں گئی نہ دل لگا کر پین کیمرہ کا چارجر ڈھونڈا۔ زمر نے بھی اس سے دوبارہ بات نہیں کی۔ چھے ستمبر والے روز حنین نے ہتھیار ڈال دیے' اور امی کا قرآن کا نسخہ اٹھائے' کاپی پین لیے' فوڈ لی ایور آفٹر ریسٹورانٹ کے اوپری کمرے میں آ بیٹھی جہاں آج زمر نہیں تھی۔

اب حنین نے وہ آیتِ نحل ایک بڑے کاغذ پہ لکھی اور سر پہ دوپٹہ لیے' ہاتھ میں قلم پکڑے.... اس پہ غور کرنے لگی۔ آن لائن تفسیر بھی پڑھی۔ شہد کی افادیت' شہد سے شفا۔ ایک دم وہ چونکی۔ شیخ کے بیمار سے اس کو اپنا خیال آتا تھا۔ تو کیا اس کے مرضِ عشق کی شفا بھی شہد میں تھی؟ کیا اس بات کی کوئی سینس بنتی تھی؟

کچھ سوچ کر جنید کو پکارا جو کسی مہمان کو اٹینڈ کر رہا تھا۔

''سنو جنید بھائی۔'' وہ آیا تو وہیں کھڑے کھڑے پوچھنے لگی۔ ''یہاں آگے پیچھے کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے خالص' بالکل خالص شہد مل سکے؟''

جنید نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''مجھے نہیں پتہ۔'' جانے لگا' پھر دوبارہ عجیب انداز میں اسے دیکھا۔ ''ایک دفعہ سعدی بھائی نے بھی مجھ سے یہی پوچھا تھا۔''

''کیوں؟'' وہ چونکی۔

''پتہ نہیں۔'' وہ خود عجیب سے اچنبھے کا شکار' واپس لوٹ آئی۔

.....❖❖❖.....

ہر آئے دن یہ خدا وندگانِ مہر و جمال ..... لہو میں غرق مرے غمکدے میں آتے ہیں

ان سب سے دور' سمندر پار.... سعدی یوسف اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اب کے وہاں کونے میں ایک اسٹڈی ٹیبل نظر آتی تھی جس پہ صاف جرنل رکھا تھا اور وہ پین سے اس پہ بے خیالی میں تکونیں بنا رہا تھا۔ آج نئی میرون شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نظر نہ آتی تھی۔

دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی' اس نے سر اٹھایا۔ دو گارڈز اندر داخل ہوئے اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ اٹھا اور ان کے ہمراہ پہلی دفعہ اس کمرے سے باہر آیا۔

باہر کوئی لاؤنج' ڈرائنگ روم ٹائپ کچھ نہ تھا' جیسا کہ اس کا گمان تھا۔ بلکہ ایک قدرے کھلا کمرہ تھا' جس میں ٹی وی لگا تھا۔ کونے میں چند کرسیاں رکھی تھیں۔ وسط میں چھوٹی میز اور اس کے گرد دو کرسیاں۔ ایک کرسی پہ وہ شخص زیگنا کے گرے سوٹ میں ملبوس' قیمتی پرفیوم کی مہک میں بسا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کو دیکھ کر سعدی کا سارا خون سمٹ کر آنکھوں میں آ گیا' مگر نہ وہ کچھ بولا' نہ آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی' بس شرر بار نظروں سے اسے دیکھتا' میز کی دوسری طرف بچھی کرسی پہ آ بیٹھا۔

کمرے میں' سعدی کے پیچھے دو گارڈز تھے' تین گارڈز دروازوں پہ تھے۔ کچن کی چوکھٹ پہ مودب سی میری کھڑی تھی۔

''ہیلو اگین سعدی!''

وہ چپ رہا۔ صرف اسے چبھتی نظروں سے گھورتا رہا۔ ہاشم کاردار نے گہری سانس لی۔

''یو آر ویلکم!'' طنز کیا۔

سعدی کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آٹھہری۔ ''تمہیں لگتا ہے کہ اپنی جان بچانے پہ میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا؟ اونہوں!'' مسکراہٹ سمٹ کر صرف تپش رہ گئی تھی۔ ''پچھلے تین ماہ سے میں اگر کسی کے جسم میں تین گولیاں اتارنا چاہتا ہوں' کندھے' پیٹ' اور ٹانگ میں' تو وہ نوشیرواں ہے' نفرت ہوگئی ہے مجھے تمہارے بھائی سے۔ لیکن اس کے باوجود... سچ یہ ہے کہ نوشیرواں مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہترین نشانہ باز تھا' ذرا سی کوکین کے باوجود اس کا نشانہ خطا نہیں ہونا چاہیے تھا' وہ مجھے سر میں گولی مار سکتا تھا' سینے میں بھی مار سکتا تھا' مگر اس کو خود بھی علم نہیں کہ وہ مجھے گولیاں صرف اس لئے مار رہا تھا تاکہ مجھے نیچے گرا کر اپنے بوٹ سے مار سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی گولیوں سے میں مر سکتا تھا اور میں اس کے لئے اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' ذرا ٹھہرا۔ ''لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے مجھے بچایا ہے' تو خود کو آئینے میں دیکھو۔'' نفرت سے اسے دیکھتا ہو کہہ رہا تھا۔ ''کیونکہ تم اپنے بھائی سے کہیں زیادہ sick ہو۔ جو الفاظ تم نے میری بہن کے بارے میں کہے' سچ کہوں تو تم سے امید نہیں تھی اس گھٹیا پن کی' لیکن پھر سوچا جو قتل کر سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ایک دفعہ پھر کہوں گا' میری غیرت کو للکارنے سے پہلے آئینے میں دیکھنا' کیونکہ یہ الفاظ اس شخص کے منہ سے مضحکہ خیز لگتے ہیں' جو نہ اپنی بہن کی حفاظت کر سکا' یہاں تک کہ وہ جیل چلی گئی' نہ اپنی سابقہ بیوی... خیر...'' سر جھٹکا۔ ''میں تمہارے لیول پہ گر کر تمہارے والی زبان استعمال نہیں کر سکتا۔'' حالانکہ اس نے یہ فقرے تیار کر رکھے تھے، ہر مرد کی طرح اس کو بھی غصہ تھا، لیکن بولنے کا وقت آیا تو اسے پتہ تھا وہ ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔

ہاشم کاردار' انگلی اور انگوٹھے کے درمیان رخسار رکھے' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھا سنتا رہا۔ ''تمہاری تقریریں مجھے پسند ہیں' مگر ان کو مجھ پہ ضائع مت کیا کرو۔ اگر تم کہہ چکے تو اب سنو!'' سعدی پہ جمی اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔ ''تم میرے آفس آئے' تم نے میرے خاندان کو دھمکایا' تم نے میرے بھائی کو گالی دی...''

''مجھے ان دو الفاظ پہ افسوس تھا' مگر کیا وہ اتنے بڑے تھے کہ تمہارا آدھے مرد جتنا بھائی مجھے گولیاں مار دے؟ عزت' غیرت صرف تم لوگوں کی ہے؟ ہمارے سامنے ہماری عورتوں کی بات کرو اور ہم چپ چاپ سن لیں؟''

''میری بات دوبارہ مت کاٹنا!'' ہاشم نے انگلی اٹھا کر اس کو تنبیہہ کی۔ ''تم نے میرے بھائی کو گالی دی' اس نے اپنا انتقام لیا۔ اس کے بعد بھی میں نے تم پہ رحم کھایا' اور تمہیں بچا لیا۔ میں تمہیں یہاں لے آیا' تمہارے اوپر اتنا خرچہ کیا' اس کے بعد تم مجھے کال کر کے ایک لسٹ تھماتے ہو، کہ تمہیں یہ، یہ چیز چاہیے۔'' استہزائیہ مسکرا کر سر جھٹکا۔ ''جیسے تم یہاں پکنک پہ ہو!''

''کیا تم اتنی دور مجھے انکار کرنے آئے ہو؟''

''اونہوں۔ میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہیں تھوڑی بہت سہولتیں مل سکتی ہیں' اور تمہاری فیملی کو تحفظ' خصوصاً تمہاری بہن کو' اگر تم....''

''میری بہن کا دوبارہ نام مت لینا!'' اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں' بلند آواز سے غرایا۔ مگر وہ کہہ رہا تھا۔

''اگر تم مجھے وہ دو' جو میں چاہتا ہوں۔'' کہتے ساتھ ایک فولڈر اس کے سامنے رکھا۔ سعدی نے شرربار نظروں سے اسے گھورتے فولڈر پہ آنکھیں جھکائیں۔ پہلے صفحے کے چند الفاظ پڑھے۔ پھر اس کے ابرو تعجب سے سکڑے۔ اس نے کاغذ اٹھا کر دیکھے۔

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں، کہ جس کوئلے پہ ہم کام کر رہے ہیں، اس کی بی ٹی یو ویلیو کیا ہے؟'' ناگواری سے ہاشم کو دیکھا۔ (یہ کوئلے کی heating values ہوتی ہے۔) ''ہمارے کوئلے کی density, porosity ---اس کا moisture content--- یہ باتیں تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ یہ کانفیڈینشل معلومات ہیں، میں یہ نہیں دے سکتا۔''

''اس کے علاوہ بھی کچھ پوچھا ہے میں نے۔'' ہاشم نے اسی سکون سے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔ سعدی نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''ہماری experimental demonstration، ہمارے سارے لیب ورک کا ڈیٹا، تم چاہتے ہو کہ میں یہ سب بتاؤں، کہ کیسے

ہم اپنے پروجیکٹ کو scale up کریں گے؟ ہاشم کاردار، ہم نے راتوں کو جاگ جاگ کر تھر کے اس بیاباں میں کام کیا ہے، جس دن ہم نے پہلی دفعہ گیس بنا کر شعلہ جلایا تھا، اس دن اس پراجیکٹ کے ہر سائینسدان، ہر انجینئر اور ہر مزدور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تم آئل کمپنیز نے اس ملک کی بجلی کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ ہم تم جیسے IPPs کی تیل کی سیاست سے اس ملک کو نکالنا چاہتے ہیں، اور تم سمجھتے ہو کہ سعدی یوسف اتنا بے غیرت اور بے ضمیر ہے کہ وہ اتنی بڑی امانت ایک آئی پی پی کے مالک کے حوالے کر دے گا؟'' پھر پیچھے ہو کر بیٹھا۔

''ہم جو بھی کرتے ہیں، قانون کے مطابق کرتے ہیں۔''

''ہا!'' سعدی نے سر جھٹکا۔ ''میں بتاتا ہوں کہ تم کیا کرتے ہو۔ ادھر آؤ میری، میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔'' اسے اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سی چلی آئی۔

''میں تمہیں سادہ زبان میں سمجھاتا ہوں، مشکل اصطلاحات استعمال کر کے اپنی معلومات کا رعب نہیں جھاڑوں گا۔ تمہیں پتہ ہے میری آئی پی پی کون ہوتے ہیں؟ Independant Power Producers۔ یہ پرائیوٹ اور خودمختار ادارے ہیں۔ تمہارے مالک بھی ایسی ہی ایک کمپنی کو چلا رہے ہیں۔ یہ لوگ فرنیس آئل سے بجلی بنا کر حکومت کو بیچتے ہیں۔ بدلے میں جب لوگ بل ادا کرتے ہیں تو اس بل سے یہ مزید تیل خرید کر مزید بجلی بناتے ہیں۔ یہ سائیکل چلتا رہتا ہے۔ لیکن ماشاءاللہ میرے ملک پاکستان میں امیر لوگ بجلی کے بل ادا نہیں کرتے۔ یوں سمجھو کہ پندرہ ٹکڑے چاہیے ہیں بجلی کے ملک کو، لیکن بل تیرہ کا ادا ہوا ہے، تو اگلی دفعہ آئی پی پی تیرہ ٹکڑے بجلی بنائے گی۔ یوں چند گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ ہو جائے گی۔ مگر پھر ہوا یوں کہ نوے کی دہائی میں ہماری حکومت نے ان آئی پی پیز کے ساتھ معاہدے کیے، جہاں بہت سی کمپنیز یوں سمجھو کہ دو روپے کی بجلی بنا کر حکومت کو چار روپے میں بیچنا چاہ رہی تھیں، وہاں حکومت نے ان آئی پی پیز کے ساتھ معاہدہ کیا جو دو روپے کی بجلی حکومت کو بیس روپے میں بیچتی ہیں۔ کیونکہ اس بیس روپے کا ٹین پرسینٹ اس شخص کی جیب میں جانا تھا جس کو ہم مسٹر ٹین پرسینٹ کہتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ قانونی بات سنو، میری اینجیو۔ حکومت نے ان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ چاہے یہ ایک ٹکڑا بجلی بنائیں، چاہیں پندرہ ٹکڑے، حکومت ان کو انہی پندرہ ٹکڑوں کی بجلی کے پیسے دیتی رہے گی۔ اب یہ قانونی لوگ ہر سال دس، یا

آٹھ ٹکڑے بجلی بناتے ہیں، ان کا کیا جاتا ہے۔ جن دنوں زیادہ لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہاشم کاردار جیسے لوگوں کا موڈ نہیں ہے زیادہ تیل خریدنے کا، اس لیے یہ کم بجلی بنائیں گے۔ یہ ہوتا ہے شارٹ فال۔ یہ ہے وہ لائن لاسز، لائن لاسز کی گردان کی حقیقت۔ پاکستان میں کوئی لوڈ شیڈنگ نہیں ہے، کوئی بجلی کا بحران نہیں ہے، یہ صرف آئی پی پیز ہیں، جب ان کو پندرہ ٹکڑوں کے پیسے مل رہے ہیں تو یہ بھلے ایک ٹکڑا بھی بنائیں، ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔'' بول بول کر وہ سانس لینے کو رکا۔ ہاشم نے اشارہ کیا تو میری واپس مڑ گئی۔

''اب تم ہمارے پراجیکٹ کی معلومات چاہتے ہو تا کہ اس کو لیک کر کے پراجیکٹ کو سبوتاژ کر سکو؟ پہلے تمہاری آئل لابی کی وجہ سے تھرکول کو حکومت پیسے نہیں دیتی۔ مزید کتنا نقصان دو گے تم لوگ اس ملک کو؟ تمہیں رات کو نیند کیسے آجاتی ہے؟'' دکھ، صدمے اور برہمی سے وہ بولا۔ ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''تمہاری تقریر ختم ہو گئی؟''

''میرا جواب ناں میں ہے، تم جا سکتے ہو۔'' فولڈر بے زاری سے واپس ڈالا۔ ہاشم چند لمحے چبھتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ ''تم وہ گفتگو بھول گئے ہو غالباً جو پچھلی دفعہ یہاں آ کر میں نے کی تھی؟''

گود میں رکھی سعدی کی مٹھیاں بھنچ گئیں، مگر اس نے خود کو ٹھنڈا رکھنا چاہا۔ (نہیں سعدی)۔ وہ تمہیں توڑنا چاہتے ہیں۔ تم نے نہیں

لونا۔)

''وہ گفتگو جس میں تم نے میرے خوف سے مجھے مفلوج کر دیا تھا؟''

''میں وہ ایک...ایک لفظ دوبارہ دہرا سکتا ہوں' مگر تمہیں تکلیف ہوگی' بچے۔اور میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔''

''تمہارا محبت کا فلسفہ تمہاری ہی طرح کرپٹ ہے۔تم اپنے محبوب لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہو۔تم نے کبھی نوشیرواں کو بڑا نہیں ہونے دیا' وہ ایک ایک چیز کے لئے تمہارا محتاج ہے۔تم نے شہرین کے ساتھ بھی یہی کیا۔اسے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔تم مجھے پسند کرتے ہو' میں جانتا ہوں' کیونکہ مجھے تو سب پسند کرتے ہیں۔'' کندھے اچکا کر بظاہر لاپرواہی سے بولا۔دل میں ابلتے غصے کو دبانے کی کوشش کی۔''تم نے مجھے اس لئے نہیں بچایا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو۔تم اپنے بھائی کو گلٹ سے بچانا چاہتے تھے' اور مجھے اس کی کمپنی کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے' مگر...میں...'' رک رک کر بولا۔''میں...نوشیرواں...نہیں ہوں!''

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا۔

''تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں۔سوچ لو۔میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔مجھے واپسی پہ یہ کاغذ بھرے ہوئے ملنے چاہئیں' ورنہ تمہاری ہٹ دھرمی کی قیمت تمہاری بہن ادا کرے گی۔''

سعدی نے سختی سے میز پہ ہاتھ جما دیے۔پھر خود کو روکا۔اس نے ایک مہینہ اس دن کے لئے مشق کی تھی۔وہ اتنی جلدی نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔

''تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔جاؤ اپنے کام بھگتاؤ۔''

''تین گھنٹے!'' ہاشم نے کلائی کی گھڑی دکھاتے ہوئے تنبیہہ کی اور گارڈز کو اشارہ کرتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس کمرے میں موجود تھا' مگر اب کی بار انہوں نے کمرے کا صرف شیشے کا دروازہ بند کیا' دوسرا لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔یہ اسی دن سعدی کو معلوم ہوا تھا کہ اس کے کمرے کے دو دروازے تھے۔لکڑی کا اندر کی طرف کھلتا۔شیشے کا باہر کی طرف۔لکڑی کے دروازے پہ دو لاکس لگے تھے' اور شیشے والے پہ نمبرز پیڈ۔یعنی وہ کوڈ سے کھلتا تھا۔

اب وہ بیڈ پہ بیٹھا لاؤنج نما کمرے میں مستعد گارڈز دیکھ سکتا تھا۔فولڈرز اور پین بیڈ پہ ساتھ رکھا تھا۔اور میری قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔

''وہ جو کہہ رہا ہے' کرے گا بھی سہی۔''

''جب مشورہ مانگوں تب دینا۔ابھی مجھ سے بات مت کرو۔'' منہ پھیر لیا۔میری سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

.....❖❖❖.....

کون قاتل بچا ہے شہر میں فیض ..... جس سے یاروں نے رسم و راہ نہ کی

ہارون عبید کے گھر کے آرام دہ اور کوزی لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا' اور وہ صوفے پہ بیٹھے چند کاغذات دیکھ رہے تھے۔ساتھ آبدار بیٹھی گاہے بگاہے ان کو دیکھتی تھی' جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔تبھی ایرانی بلی دوڑتی ہوئی آئی اور جست لگا کر آبدار کی گود میں بیٹھ گئی۔ہارون نے (اونہوں) خفگی سے بلی کو دیکھا' پھر اسے۔

''آبی' اپنی بلیوں' گھوڑوں اور پرندوں کو گھر کے اندر مت لایا کرو۔'' ٹوکا مگر نرمی سے اور کاغذ دیکھنے لگے۔آبدار نے تو جیسے سنا ہی نہیں' آلتی پالتی کر کے اوپر ہو بیٹھی' اور بلی کی نرم کھال پہ ہاتھ پھیر کر کہنے لگی۔

''بابا' آج آپ اتنے دن بعد دوپہر میں گھر پہ ہیں۔ایسا کرتے ہیں میں چائنیز بنا لیتی ہوں' پھر ہم ساتھ لنچ کریں گے۔ٹھیک؟''

''نہیں مجھے ایک لنچ پہ پہنچنا ہے ابھی۔ یاد آیا' مسز کاردار نے ویک اینڈ پہ ہمیں کھانے پہ بلایا ہے۔ تم چلو گی؟''

اورانہوں نے دیکھا ہی نہیں کہ چائنیز کا پلان کینسل ہونے پہ آبی کی آنکھوں کی جوت کیسے بجھ گئی ہے۔ ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا دل نہیں ہے جانے کا۔ اس دن بھی تو گئی تھی نا ہاشم کی عیادت کے لئے۔ اب اگر وہ لوگ آئے تو پھر جاؤں گی۔ روز روز جاتے اچھا نہیں لگتا۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ کاغذات دیکھتے رہے۔ آبدار سر جھکائے بلی کو سست روی سے سہلاتی رہی۔ ''مسز کاردار کو آپ کا تحفہ کیسا لگا؟ آپ نے بتایا نہیں۔'' دل کو پھر سے جوڑ کر گفتگو کا آغاز کیا۔

''اتنا قیمتی بریسلیٹ کسے اچھا نہیں لگے گا؟''

''میں اس شعر کی بات کر رہی ہوں بابا جو آپ نے مجھ سے لکھوایا تھا' مَن الماس رابہ ملکہ دادم۔''

''میں نے تمہیں انگریزی میں لکھنے کے لیے کہا تھا' تم نے فارسی میں لکھ دیا۔''

''کوئین کو سمجھ آ گیا ہوگا۔ خیر' کیسی ہیں وہ؟ آپ لوگ ابھی بھی اپنے کارٹیل میں ساتھ کام کر رہے ہیں نا۔''

تب ہی ہارون کا فون بجا۔ آبدار نے اچک کر اسکرین دیکھی۔ ہاشم کاردار کالنگ۔

''اوہ۔ پہلے میں بات کرلوں۔ میں نے اسے اس دن سے کال بیک ہی نہیں کیا۔'' اس نے موبائل لینا چاہا مگر ہارون نے سختی سے فون پیچھے کرلیا۔ ''یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔'' ایک دم سارے کاغذ چھوڑ کر وہ فون کان سے لگائے اٹھ گئے۔ آبدار متعجب سی بیٹھی رہی۔ پھر کاغذوں کو دیکھا۔ وہ محض بلز تھے۔ تو بابا اتنی دیر سے ہاشم کی کال کا انتظار کر رہے تھے؟

''شش'' بلی کو تھپک کر بھگایا' اور پھر ننگے پاؤں سہج سہج کر چلتی ان کے پیچھے آئی۔ وہ گیلری سے گزر کر اسٹڈی روم میں چلے گئے تھے اور اب دروازہ بند تھا۔ وہ دبے قدموں دروازے تک آئی اور اسے ہلکا سا دھکیلا۔ بنا آواز کے وہ ذرا سا کھلا۔ ہارون دوسری طرف رخ کیے بات کر رہے تھے۔ آبدار آنکھوں میں معصوم سی شرارت لئے سنتی رہی۔ اس کی برتھ ڈے اگلے ماہ تھی۔ ہاشم اس کی سالگرہ پہ انوکھے تحفے بھیجا کرتا تھا۔ بابا بھول جاتے تھے تو کیا ہوا؟ ہوسکتا ہے اس سال وہ.....

''تمہارا تھرکول والا Scientist کہاں تک پہنچا ہاشم؟'' وہ کہہ رہے تھے۔ ''تمہیں یقین ہے وہ تمام معلومات فراہم کردے گا؟''

ذرا ٹھہرے۔ ''میں عجلت اس لئے مچا رہا ہوں کیونکہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں چائنیز رجسٹرڈ کمپنی جلد از جلد شروع کرنی ہے۔'' وہ ناخوشی سے کہہ رہے تھے۔ آبدار کی آنکھوں کی شوخی الجھن میں بدلی۔

''میں نے لڑکے کو ملک سے باہر بھیجنے اور اس کو اپنے سیف ہاؤس میں رکھنے میں تمہاری جتنی مدد کی تھی' اب تم بھی اتنی ہی جلدی مجھے کوئی رزلٹ دو ہاشم!''

وہ مڑنے لگے تھے۔ آبدار فوراً الٹے قدموں واپس بھاگی' البتہ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

یقیناً بابا کوئی غلط کام نہیں کر رہے' وہ کسی سائنسدان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مجھے کیا؟ مگر سر جھٹک دینے سے وہ سوچیں جھٹکی نہیں جا رہی تھیں، وہ جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

.....❖❖❖.....

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو، وہ وقت قریب آ پہنچا ہے، ..... جب تخت گرائے جائیں گے، جب تاج اچھالے جائیں گے

ہاشم واپس آیا تو گارڈز ہتھکڑی لگے سعدی کو لئے اس کے سامنے آئے اور کرسی پہ بٹھایا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کروفر سے بیٹھے ہاشم کاردار نے سر کو خم دیا۔ ہاشم کو دیکھتا رہا۔ ایک گارڈ نے کاغذات لاکر میز پہ رکھے' اور ساتھ قلم بھی۔

''چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔ تم نے ابھی تک لکھنا شروع نہیں کیا۔'' نارمل انداز میں سوال کیا۔

''میں جواب دے چکا ہوں۔'' لڑکے کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

''کیا چاہتے ہو؟ تمہاری بہن کو تمہارے سامنے فون کروں؟ اوہ سعدی!'' افسوس سے سر جھٹکا۔ ''کیوں مجھ سے ایسے کام کروانا چاہتے ہو جو کرتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے؟''

سعدی کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ ''بار بار میری بہن کا نام مت لو۔'' وہ غرایا تھا۔ ''تم یہ سب اس لئے کر رہے ہو تا کہ میں اپنی فیملی سے بدظن ہو جاؤں۔ مگر ایسا نہیں ہوگا کبھی ہاشم!''

''حالانکہ ایسا ہو جانا چاہیے' کیونکہ تمہاری فیملی تمہیں بھول کر اپنی زندگی میں مگن ہو چکی ہے۔ اگر میرا بھائی کھویا ہوتا' تو میرے پاس الٹیمیٹم چلانے کا وقت نہ ہوتا' مگر تمہاری بہن....''

وہ ایک دم بھوکے شیر کی طرح ہاشم پہ جھپٹا تھا۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھوں سے اس کا گریبان پکڑ کر اس کی گردن دبوچنی چاہی' مگر ہاشم نے سختی سے اسے پیچھے دھکیلا۔ گارڈز نے بروقت اسے قابو کیا۔ وہ سرخ' پسینے سے تر چہرے سے چلا رہا تھا۔

''اللہ غارت کرے تمہیں' اللہ برباد کرے تمہیں۔'' اس کی سرخ آنکھیں گیلی تھیں اور چلانے کے باعث آواز بیٹھ گئی تھی۔ ہاشم نے ناگواری سے کالر جھٹکے' میری نے جلدی سے رومال لا دیا جس سے اس نے گردن تھپتھپائی جہاں ذرا سی خراش پڑ گئی تھی۔

گارڈز سعدی کو زبردستی بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ تیز تیز سانس لیتا ہانپتے ہوئے مسلسل چلا رہا تھا۔ ہاشم رومال رکھ کر چند لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

''اپنی جذباتیت کو پرے رکھ کر میری بات سنو۔ کان کھول کر۔'' آنکھوں میں سختی لئے وہ بولا تھا۔ ''تم یہاں اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہو' تمہیں اپنے سے بڑے دشمن نہیں بنانے چاہیے تھے' مگر تم نے بنائے۔ اب اپنے خاندان کو اپنی غلطیوں کی سزا مت دو۔ پندرہ منٹ پہلے میں نے تمہاری بہن کو میسج کیا تھا۔ کہ مجھے اس سے ملنا ہے۔ گھر میں نہیں۔ ایک ہوٹل میں...'' وہ موبائل نکالتے ہوئے بتا رہا تھا۔ سعدی گہرے گہرے سانس لیتا' نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کہا کہ میرا ڈرائیور اسے پک کر لے گا۔ اسے نہیں معلوم کہ میں ملک سے باہر ہوں۔'' اسکرین اس کے سامنے کی۔ ''اس کا آڈیو میسج آیا ہے۔ یہ اصلی ہے۔ خود سن لو۔'' سعدی کی نظریں اسکرین پہ ٹھہریں۔ اس پہ واٹس ایپ کی گفتگو کھلی تھی۔ اوپر ''حنین یوسف'' لکھا تھا۔ ہاشم نے نگاہیں سعدی پہ جمائے پلے کا بٹن دبایا۔

''اوکے' میں آ جاؤں گی' آپ ڈرائیور بھیج دیں۔ میں ریسٹورانٹ میں ہوں' مجھے واپس بھی ادھر ڈراپ کروائیے گا' مجھے بھی آپ سے بات کرنی ہے۔ بائے!'' حنین کی مصروف الجھی آواز ختم ہوئی۔ سعدی کا دل کانپ کر رہ گیا۔ ہاتھوں میں لگی ہتھکڑیاں کیا ہوتی ہیں، کوئی اس سے پوچھتا۔

''سو سعدی یوسف..... میرا ڈرائیور ٹھیک بیس منٹ بعد اس کو پک کرنے جائے گا اور ایک ہوٹل میں چھوڑ دے گا۔'' سرد مہری مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتانے لگا۔ ''ڈونٹ وری' تمہاری بے وقوف بہن کو کچھ نہیں ہوگا' مگر میرے گارڈز اسے وہیں بند کر دیں گے اور صبح سے پہلے اس کو لوٹنے نہیں دیں گے۔ اور تمہاری جیسی فیملیز میں ایسا ایک واقعہ اس بچی کی ساری زندگی برباد کر سکتا ہے۔ سو اب سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' خود بھی پیچھے ہو کر بیٹھا اور تسلی سے جیسے اسے مژدہ سنایا۔

''اللہ برباد کرے تمہیں....''

''اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو یہ نمبر دیکھ لو۔ یہ تمہاری بہن کا ہی نمبر ہے۔ مگر شاید اس نے تمہارے جانے کے بعد لیا تھا۔'' اس کو دیکھتے ہوئے ہاشم نے حنین کے نام پہ کلک کیا تو اس کی پروفائل کھل گئی۔ سعدی کی بے بسی بھری غصیلی نظریں ہاشم سے ہوتیں اسکرین پہ ٹھہریں۔

اسکرین پہ حنہ کی پروفائل پکچر تھی۔اس کی اور سیم کی سیلفی۔نیچے ایک موبائل نمبر لکھا تھا۔اور ساتھ ہی اس کا واٹس ایپ اسٹیٹس۔

''واوحیٰ ربک الی النحل!'' ساتھ میں ایک ویڈیو کیمرے کا نشان۔اور لکھا تھا

Updated 6 mins Ago۔سعدی ایک دم چونکا۔ہاشم کو دیکھا۔

''آڈیو دوبارہ دکھاؤ۔'' ہاشم نے حکم کی تعمیل کی۔آڈیو پلے کی' مگر سعدی صرف آڈیو کا وقت دیکھ رہا تھا۔وہ بیس منٹ پہلے کی تھی۔

حنین کی آواز اس کی سماعت میں نہیں سنائی دے رہی تھی۔وہ صرف اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔بیس منٹ پہلے؟ چھے منٹ پہلے؟ کیمیکل انجینئر نے ذہن میں جمع تفریق کی۔جواب گھاٹے کا نہیں تھا۔پھر اس نے نگاہیں اٹھائیں' مگر اب ان میں نہ غصہ تھا' نہ نفرت' نہ بے بسی بھرا دکھ۔

ان میں کوئی عجیب سا تاثر تھا۔ٹھنڈے گوشت جیسا۔

پھر سعدی نے گہری سانس لی' اور ذرا پیچھے کو ہوا۔

''سو؟'' کندھے اچکائے۔

''سو جتنی جلدی تم یہ کاغذ پُر کر دو گے' اتنی جلدی میرے بندے تمہاری بہن کو عزت اور حفاظت سے واپس چھوڑ دیں گے۔''

سعدی انہی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔''تم چاہو تو میری بہن کو اغوا بھی کر سکتے ہو' مگر تم ایسا نہیں کرو گے' تم کوئی اور جرم افورڈ نہیں کر سکتے' اور چاہتے ہو کہ میری نظروں میں میری بہن کو گراؤ۔ہے نا؟'' ابرو اٹھا کر پوچھا۔اس کی آواز میں کاٹ تھی۔ہاشم دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم زندگی میں پہلی دفعہ خود کو میری جگہ رکھ کر دیکھو۔'' ایک ایک لفظ چبا کر کہہ رہا تھا۔''اب جب اپنی بہن کو بچانے کے لئے تم یہ کاغذ پُر کر کے ایک جرم کرو گے' تو تمہیں احساس ہو گا کہ انسان کو اپنے خاندان کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔پھر تم جانو گے کہ تم ہیرو نہیں ہو' نہ میں ولن ہوں۔بلکہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔'' زخمی سا مسکرایا۔''آج ہم برابر ہو جائیں گے سعدی! کیونکہ جو کرنا ہوتا ہے' وہ کرنا پڑتا ہے۔''

سعدی بھی آگے کو ہوا۔(گارڈز فوراً چوکس ہوئے) مگر اب وہ ہاشم پہ حملہ نہیں کر رہا تھا۔وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سمجھنے لگا تھا۔

''میں اور تم... برابر نہیں ہیں' کیونکہ میں....'' کاغذ پرے دھکیلے۔''ان کو پُر نہیں کروں گا۔''

''اور بے غیرت بننا پسند کرو گے؟ اپنی بہن کا کوئی خیال نہیں ہے؟'' اس نے گویا ملامت کی۔سعدی پیچھے ہوا۔مسکرایا۔

''میری بہن تم سے ملنے نہیں آئے گی۔''

''یہ آڈیو جعلی نہیں تھی۔یہ اصلی تھی۔میرا ڈرائیور اب تک نکل چکا ہو گا۔تمہاری بہن واقعی آ رہی ہے۔''

''مجھے پتہ ہے' یہ آڈیو اصلی ہے' مگر.... میری.... بہن.... نہیں آئے گی!'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ہاشم نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''مجھے اس لڑکی پہ ترس آ رہا ہے۔تم اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔خیر' تم سوچ لو۔ہمارے پاس پوری رات ہے۔'' گردن کی خراش کو مسلتے ہوئے وہ سکون سے بولا اور دور کھڑی میری کو لگا' سعدی پھر سے اس پہ جھپٹے گا' مگر ایسا نہیں ہوا۔وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

''وہ ابھی تمہیں کال کرے گی' اور کہے گی کہ تم گاڑی نہ بھیجو۔تمہارے ڈرائیور کو خالی ہاتھ آنا پڑے گا' کیونکہ فارس غازی کی بہن کے ریسٹورانٹ سے تم ایک لڑکی کو زبردستی تو لے جا نہیں سکتے۔'' اس کا اعتماد واپس آ رہا تھا۔ہاشم کو پہلی دفعہ اچنبھا ہوا۔وہ کیا مس کر رہا تھا؟

''تم نے شاید غور سے سنا نہیں' تمہاری بہن میری بات رد نہیں کر سکتی' وہ....'' جیب میں اس کا موبائل بجا۔وہ ایک دم رکا۔سعدی کی زخمی مسکراہٹ پھر سے نمودار ہوئی۔

''اٹھاؤ ہاشم کا ردار' اور اسپیکر آن رکھو' کیونکہ میری بہن ابھی تم پہ غرائے گی' اور میں وہ سننا چاہوں گا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ مگر اپنا شوق پورا کرلو۔'' وہ اسی کروفر سے اٹھا اور گارڈز کو اشارہ کیا۔ وہ اس کا ہر اشارہ پہچانتے تھے' اس سے سعدی کو اندازہ ہوا کہ وہ اس قید خانے میں لایا جانے والا پہلا قیدی نہیں تھا۔ یہ کوئی ویئر ہاؤس تھا، جو سیف ہاؤس کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

گارڈز اسے واپس اس کے کمرے میں لے آئے۔ لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا' اور شیشے کا دروازہ مقفل کردیا۔ سعدی بیٹھا نہیں' دروازے کے ساتھ کھڑا رہا۔ دیوار میں لگا انٹر کام کی طرح کا اسپیکر ایک گارڈ نے چلا دیا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ ہاشم نے اپنے سیل کو کس طرح اس سے جوڑ رکھا تھا، مگر اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس اسپیکر سے اس کو ان کی گفتگو سنائی دے سکتی تھی' مگر سعدی کی آواز نہیں جاسکتی تھی۔

ہاشم کا فون مسلسل بج رہا تھا۔ جب دروازہ بند ہو چکا اور اس نے اپنے قیدی کو شیشے کے دروازے پہ ہاتھ جمائے' خود کو دیکھتے پایا تو کال اٹھالی۔

''ہیلو حنین!'' خوشگوار لہجے میں بولا۔ نظریں شیشے کے پار سعدی پہ جمی تھیں۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔ گہرے سانس۔

''حنین؟'' ہاشم نے پھر پکارا۔

''آپ نے ڈرائیور بھیج دیا؟'' سپاٹ سا انداز تھا۔

''ہاں! بھیجنے والا ہوں۔ تم تیار ہو؟'' طنزیہ نظروں سے سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ پھر خاموشی۔

''نہیں' میں نہیں آرہی۔ ڈرائیور واپس کرلیں۔''

سعدی کی اٹھی گردن مزید اٹھ گئی۔ ہاشم پہ جمی چبھتی نظروں میں ملامت در آئی۔

ہاشم کا ردار کو ایک دم گردن کی خراش میں شدید درد ہوا۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے....

''کیا مطلب؟ تم نے ابھی کہا' تم...''

''مجھے پتہ ہے میں نے کیا کہا' اور اب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نہیں آرہی' سو نہیں آرہی' بات ختم!''

شیشے پہ دونوں ہاتھ رکھے سعدی نے آنکھیں بند کرکے ایک گہری سانس اندر اتاری۔

''کیا مطلب؟ مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی حنین۔'' ہاشم کا گلا دب رہا تھا۔ میز پہ رکھے کاغذ دیکھتے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ ہارون کو کیا جواب دے گا؟

''رات کو گھر آیئے گا' ماموں کے سامنے کرلیجئے گا جو بات بھی ہو۔ آخر آپ ماموں کے کزن ہیں' اتنا تو حق ہے نا آپ کا۔'' وہ سرد مہری مگر گیلی سی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''اور پلیز مجھے ہر وقت کال مت کریں۔ میں آپ سے رشتے دار سمجھ کر کبھی بات کرلیتی ہوں تو آپ اس کا غلط فائدہ مت اٹھایا کریں۔''

ہاشم نے متعجب سے ہو کر دروازے کو دیکھا۔ سعدی اسی طرح وہاں کھڑا تھا۔ ہاشم کے ماتھے پہ ٹھنڈا پسینہ آگیا۔ ایک دم سب غلط ہو رہا تھا۔

''تمہیں دس منٹ میں کیا ہو گیا ہے؟ ابھی تو تم بالکل ٹھیک تھیں۔ کسی نے منع کیا ہے مجھ سے ملنے کے لئے آنے کو؟'' وہ ذرا غصے ہوا۔ شیشے کے پار کھڑے سعدی کی نظریں.... ہاشم کا چہرہ احساسِ توہین سے سرخ پڑنے لگا۔

''ہاں۔ کیا ہے منع! میرے بھائی نے منع کیا ہے۔''

ہاشم کا سانس رک گیا۔ وہ بالکل پلک جھپکے بنا سعدی کو دیکھے گیا۔

''سعدی..تمہاری سعدی سے بات ہوئی ہے؟'' وہ اگلی دس زندگیوں میں بھی اس بات پہ یقین نہیں کر سکتا تھا۔ سعدی تو سارا وقت اس کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔ تو پھر....؟

''ہاں ہوئی ہے میری سعدی بھائی سے بات۔ اب پلیز... مجھے ڈسٹرب مت کریں۔'' اور ٹھک سے فون بند ہو گیا۔

ہاشم نے بمشکل ''ہیلو'' کہا۔ پریشانی سے' تعجب سے۔ چند لمحوں کے لئے اسے بھول گیا تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے' صرف یہی یاد تھا کہ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا ہے' اور اس کا دل حیرت اور شاک سے دھڑکنا بھول چکا ہے۔ فون کان سے ہٹا کر چہرہ اٹھایا۔

شیشے کے دروازے کے پار کھڑا سعدی آنکھوں میں چبھن بھرے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم تیزی سے آگے آیا' کوڈ دبا کر دروازہ کھولا اور اسے گریبان سے پکڑ کر سامنے کیا۔

''کیا کیا ہے تم نے؟ ہاں؟'' تعجب اور غصے سے وہ چلایا تھا۔ ''دس منٹ میں کیا بدل دیا ہے تم نے؟ اس (گالی) نے میرے... فون بند کر دیا۔''

''فاذا قراءت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم!'' (پھر جب تم قرآن پڑھو تو پناہ مانگا کرو دھتکارے ہوئے شیطان سے

سعدی تیز تیز سانسوں کے درمیان بولا تھا۔ ہاشم نے اس کو گریبان سے جھٹکا دے کر چھوڑا' اور انہی بے یقین نظروں سے دیکھتا پیچھے ہوا۔

''بے شک....'' وہ واپس بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے، گہرے' تھکے سانس لے کر خود کو پُرسکون کر رہا تھا۔

''بے شک اس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا ان لوگوں پہ جو ایمان لائے...'' اپنی پیشانی ہتھیلیوں پہ گرائے' وہ چہرہ جھکا

آنکھیں بند کیے پڑھ رہا تھا۔ ''اور جو اپنے رب پہ توکل کرتے ہیں۔''

ہاشم انہی بے یقین آنکھوں سے اسے دیکھتا قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''بے شک (اس) شیطان کا زور انہی لوگوں پہ چلتا ہے جو اس سے دوستی کر لیتے ہیں...'' (سورہ نحل) اس کی آواز دھیمی ہو رہی تھی

ہاشم تر پیشانی اور حیرت زدہ آنکھیں لئے دروازے تک پیچھے ہٹ گیا۔

''آج کے بعد تم میری بہن کو میرے خلاف استعمال نہیں کر سکتے، اس لیے اگلی دفعہ مجھے دھمکانے آنا تو کوئی اور طریقہ ڈھونڈنا۔'' بلند آواز سے کہہ کر گویا اسے چیلنج کر رہا تھا۔

''تم....تمہاری بہن...فارس...سب اس کی سزا کاٹو گے۔ تم انتظار کرو۔'' چوکھٹ تک رکا اور زور سے غرایا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور گردن کی خراش دہک رہی تھی۔ آستین سے تر پیشانی رگڑی اور مڑ کر باہر نکلتا گیا۔

سعدی ابھی تک زیرِ لب کچھ پڑھ رہا تھا مگر اس کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ سنائی نہ دیتی۔ پورے زنداں خانے میں سناٹا چھایا تھا۔ میری اس کے پاس آئی۔ اسے پانی لا کر دیا۔

''تم نے کیا کیا سعدی؟''

سعدی نے نچڑا ہوا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تم نہیں سمجھو گی۔''

میری کی آنکھوں میں تاسف در آیا۔ ''جب تم سات سال پہلے قصرِ کاردار آئے تھے تو تمہارے آگے دروازہ میں نے کھولا تھا۔ اگر نہ کھولتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔'' سعدی کچھ کہے بنا پانی کے گھونٹ بھرنے لگا۔

.....❖❖❖.....

اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں، اب زندانوں کی خیر نہیں ..... جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں، تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے

سعدی اور اس کے زنداں خانے کو وہیں چھوڑ کر ہم چند منٹ پیچھے واپس اسلام آباد کے اس ریسٹورانٹ میں جاتے ہیں جہاں

اوپری کمرے میں حنین بیٹھی' رجسٹر پہ پھول بوٹے بنا رہی تھی۔ وہ آیت ہنوز لکھی موجود تھی' مگر حنین کو جب کچھ خاص سمجھ نہ آیا تو غور و فکر کرنا ترک کر دیا۔ تبھی زمر اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

''موبائل کمپنی نے بالآخر سگنل رپورٹ بھیج ہی دی۔'' وہ اندر سے کاغذ نکالتے ہوئے دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مگر بھائی کا موبائل سگنل آخری دفعہ ہماری کالونی میں آن ہوا تھا' یہ بتایا تو تھا پولیس نے۔''

''ہاں مگر اس کا واٹس ایپ اگلے دن بھی آن ہوا تھا' بائیس مئی کو' پولیس نے یہ نہیں بتایا۔ اس لئے میں نے کمپنی سے رابطہ کیا تھا۔ ت روی سے سہی' کام انہوں نے کر دیا۔ تم تو کر کے دینے پہ تیار نہیں تھیں۔'' وہ طنز نہیں تھا' بس سادگی سے کہا اور صفحے کھول کر چہرے کے سامنے کیے۔

حنین نے خفگی سے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر اس کے قریب آئی اور کاغذ پہ دیکھا۔ پھر دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''یہ علاقہ.... یہ تو وہی ہے پھپھو جہاں ہم اب رہتے ہیں۔''

''اور جہاں کاردار زر رہتے ہیں۔'' زمر سوچتے ہوئے پڑھتی جا رہی تھی۔ حنین الجھ کر رہ گئی۔

''سعدی کو آخری کال ہاشم کی طرف سے کی گئی ہے۔ دیکھو... یہ پولیس کی رپورٹ میں نہیں تھا۔'' وہ دکھا رہی تھی۔

''اس رات ہم سب ہی بھائی کو کال کر رہے تھے۔''

''مگر ہاشم کی کال کے وقت فون قصرِ کاردار یا ہماری انیکسی کے آس پاس تین کلومیٹر کے علاقے میں تھا۔ دوبارہ وہ بارہ بجے کے بعد آن ہوا' تقریباً رات کے تین بجے۔ تب بھی وہ اسی علاقے میں تھا۔ اس کا واٹس ایپ بھی تبھی آن ہوا ہوگا۔'' کاغذ رکھ کر وہ سنجیدگی سے حنین کو بتانے لگی۔ ''سعدی کی دو چیزیں کھوئی تھیں۔ کی چین اور موبائل۔ کی چین ممکنہ طور پہ اس گواہ لڑکی کے پاس تھا' مگر سیل فون کس کے پاس تھا؟ اور وہ اسے اس علاقے میں کیوں لے کر گیا؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے؟''

''ہو سکتا ہے کہ صرف ایک گواہ نہ ہو' بلکہ قصرِ کاردار میں سے بھی کوئی گواہ ہو۔'' چند لمحے سوچا۔ ''نوشیرواں اس دن سے متضاد باتیں کہہ رہا ہے' یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھی وہاں موجود ہو۔ ظاہر ہے وہ سعدی کا دوست ہے' وہ....''

''نہیں وہ بھائی کا دوست نہیں ہے۔'' وہ ایک دم بولی۔ زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''مگر... سب جانتے ہیں کہ وہ دونوں دوست ہیں۔''

''میں باقی سب سے زیادہ جانتی ہوں بھائی کے بارے میں۔ میں نے سگنل ڈھونڈنے میں مدد نہیں دی' مگر پچھلے چار سال سے اب نہ فارس غازی ادھر تھا' نہ زمر یوسف' تب حنین ہی تھی جو سعدی کے ساتھ تھی' اس لئے... وہ دوست نہیں تھے!'' قطعیت سے بتایا۔ اور یہ بھی طنز نہ تھا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''وجہ؟''

''کسی لڑکی کو شیرو تنگ کرتا تھا' اس لڑکی نے اپنے منگیتر سے شیرو کو پٹوایا۔ بھائی نے سامنے موجود ہونے کے باوجود شیرو کی کوئی مدد نہیں کی۔ آرام سے بیٹھا رہا۔ اس پہ وہ بھائی سے خفا ہو گیا۔''

''مگر سعدی نے کوئی مدد کیوں نہیں کی؟''

''پتہ نہیں۔ پھر بعد میں وہ ڈر گزلیتا تھا تو بھائی نے اس کی شکایت اس کی ممی کو لگائی' پھر میں نے اس کے اغوا کا پول کھولا۔ شیرو بھائی

تو تب سے ہمارے جانی دشمن ہیں۔''

''تم نے پہلے نہیں بتایا۔''

''آپ نے پوچھا ہی نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ چند لمحے خاموشی چھا گئی۔

''تمہارا خیال ہے کہ... شیر وسعدی کو گولی مار سکتا ہے؟''

''ارے نہیں.... اس سے تو اغوا بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا' گولی کہاں مار سکتا ہے کسی کو۔ میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ وہ دوسرا اغوا کر سکتا ہے مگر بھائی سے بغض کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ خاموش ہو۔''

''جو بھی ہے' تم مجھے شام میں وہ پین چارج کر کے دو گی' ہوسکتا ہے اس میں کچھ اہم ہو۔'' پھر واپس گھوم کر دوبارہ سے کاغذ دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں ستائش تھی۔

''یہ موبائل سگنل بھی کیا چیز ہے حنین! نظر بھی نہیں آتا مگر اتنا مضبوط ہے کہ ختم ہو جانے کے بعد بھی اپنا نشان نہیں کھوتا۔''

حنین نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا' اور رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔ الجھی نگاہوں سے اس آیت کو دیکھنے لگی۔ تبھی موبائل بجا۔ اس نے بے زاری سے دیکھا۔ ہاشم کا پیغام تھا۔ اسے ملنے کے لئے بلا رہا تھا۔ وہ ٹائپ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی' گردن موڑ کر دیکھا' زمر فون پر کسی وکیل سے بات کرتی اٹھ کر جا رہی تھی۔ وہ چلی گئی تو حنہ نے پیغام ریکارڈ کر کے اسے بھیجا۔ ملنا ہی تھا تو آدھے گھنٹے کے لیے وہ مل لے گی اور حلیمہ والی بات بھی کلیئر کر لے گی۔ اور پھر سے رجسٹر کے کنارے پھول بوٹے بنانے لگی۔ وہ آیت ابھی تک صفحے پہ جگمگا رہی تھی۔ واوحیٰ ربک الی النحل۔

شہد میں شفا ہے' مگر... دل کی بیماری کی شفا شہد میں کیسے ہے؟ اس آیت میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ مگر کون سی نشانی؟ وہ سوچتی جا رہی تھی۔ ذہن میں زمر کے کہے الفاظ گونج رہے تھے۔

''یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین...''

شہد کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ عسل؟ اس نے ذہن سے اس آواز کو جھٹکتے ہوئے آیت پہ توجہ دی۔ ہوسکتا ہے ''عسل'' کا کوئی اور مطلب بھی ہو۔ کہتے ساتھ اس نے عسل کا لفظ آیت میں ڈھونڈنا چاہا۔

''یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے....''

مگر ایک منٹ۔ وہ الجھی۔ عسل کا لفظ تو آیت میں تھا ہی نہیں۔ آیت میں شہد کا لفظ تو تھا ہی نہیں۔ وہاں تو صرف ''مشراب'' (شراب) لکھا تھا۔ پھر... وہ شہد کیوں ڈھونڈ رہی تھی؟'

''یہ موبائل سگنل بھی.....''

وہ صفحہ اپنے قریب لائی۔ آنکھوں کے بالکل قریب۔ پلکیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔ وہ غلط شے کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ ''آیتِ عسل'' نہیں تھی۔ وہ ''آیتِ نحل'' تھی۔ موضوع شہد نہیں تھا' موضوع شہد کی مکھی تھا۔ ہنی بی۔ دی ہنی بی۔

زمر ساتھ آ کر بیٹھی اور اپنا کام کرنے لگی۔ حنین اسی طرح صفحے کو دیکھ رہی تھی۔

(سعدی بھائی بھی مجھ سے ایک دفعہ پوچھ رہے تھے۔)

(یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین۔)

وہ متحیر سی خود سے بڑبڑائی۔ ''موبائل سگنل۔''

''سوری؟'' زمر نے اسے سوالیہ دیکھا' اسے لگا حنہ نے اسے پکارا ہے' مگر حنین اس وقت کسی اور دنیا میں تھی۔ اس نے نہیں سنا۔

بس تیزی سے اٹھی اور زمر کے آگے رکھا سعدی کا لیپ ٹاپ اٹھایا' اور اسے اپنی میز پہ لے آئی۔ بے قراری سے وہ جلدی جلدی کیز دباتی فیس بک کھول رہی تھی۔

سعدی کا فیس بک پہ دوستوں کا ایک گروپ تھا' چھوٹا سا' جہاں وہ ہر ہفتے اپنی ایک سیلف ویڈیو پوسٹ کرتا تھا' اس میں وہ کسی منتخب آیت کی اپنی سمجھ اور علم کے لحاظ سے تفسیر بیان کرتا تھا۔ یہ سلسلہ اس نے سال بھر پہلے چھوڑ دیا تھا' جاب کی مصروفیت کی وجہ سے' مگر وہ ویڈیو زاب بھی اس گروپ میں تھیں۔ حنہ اس گروپ میں تھی' مگر چونکہ وہاں سعدی کے دوست تھے' سو اس کو کمنٹ کرنے کی اجازت بھائی کی طرف سے نہیں تھی' لیکن ویڈیوز وہ دیکھا کرتی تھی' نیٹ چھوڑنے کے بعد بھی وہ ان ویڈیوز کو تب دیکھ لیتی جب بھائی امی کو دکھاتا.... اسے لگتا تھا وہ ان کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ہے' لیکن آج دونوں کانوں کے درمیان کچھ اٹک گیا تھا...

مطلوبہ صفحہ کھل گیا... وہ ویڈیو آج بھی وہاں موجود تھی۔ اس کا نام ''آیتِ نحل'' تھا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ویڈیو کھولی۔ کانوں میں ائیر فونز لگائے۔

اسکرین پہ ریسٹورانٹ کی کونے والی میز نظر آنے لگی۔ ایک یا سوا سال پہلے کا سعدی ادھر بیٹھا تھا' اور اسکرین پہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ چند ابتدائی فقرے۔ حنہ نے اسکرین کو انگلیوں سے چھوا۔ کتنے دن بعد اس نے سعدی کو بولتے دیکھا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ موضوع پہ آ گیا تھا۔

''کل صبح فجر پہ میں سورۃ نحل پڑھ رہا تھا' تو آیاتِ نحل نظروں سے گزریں' تو میں نے ان پہ غور و فکر کیا۔ ہم اکثر قرآن میں اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنتے ہیں کہ ''اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتی ہے۔'' غور و فکر کرنا کیا ہوتا ہے؟ اس آیت کی تفاسیر سے تفسیر پڑھ لینا؟ کیا یہ کافی ہوتا ہے؟ میرے خیال میں نہیں۔'' ذرا رک کر سانس لی۔

''غور و فکر کہتے ہیں تفتیش کو' جیسے انگریزی فلموں میں سراغ رساں حضرات چھوٹے چھوٹے کلیوز کا تعاقب کرتے ہوئے مجرم تک پہنچتے ہیں۔ میرے نزدیک قرآن میں غور و فکر کرنا بھی میٹریل evidence کو فالو کرنے جیسا ہے... یعنی ٹھوس شواہد کا پیچھا کرنا۔ ٹھوس شواہد میں ہر وہ چیز آتی ہے جو ٹھوس ہو' جسے آپ چھو سکیں۔ جیسے' ایمان، کفر، شرک' روزہ نماز' یہ ٹھوس چیزیں نہیں ہیں۔ مگر سمندر' پانی' جانور' شہد' یہ ٹھوس چیزیں ہیں۔ سو' آیتِ نحل کو پڑھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس میں موجود میٹریل شواہد کا تعاقب کرتا ہوں۔ شاید تب کچھ سمجھ آئے۔''

وہ سانس لینے کو ٹھہرا اور حنہ بالکل سانس روکے اسے سن رہی تھی۔

''اس میں میٹریل چیز شہد تھی' میں چند جگہوں پہ گیا' خالص شہد کے لئے۔ مگر پھر ایک دن مجھے اندازہ ہوا کہ لفظ شہد تو آیت میں لکھا ہی نہیں ہے' یہ آیتِ عسل نہیں تھی' یہ آیتِ نحل تھی۔ موضوع نحل ہے' سارا مسئلہ نحل کا ہے۔ تب مجھے ایک بہت دلچسپ بات معلوم ہوئی' مگر اس کے لئے ہمیں پچھلی تین آیات کو ملا کر پڑھنا ہوگا۔'' اب اس نے میز پہ رکھا قرآن کھولا اور اس میں سے دیکھ کر بتانے لگا۔

''ان چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی ڈرنکس کا ذکر کیا ہے۔ ایک ایک کر کے سب کو دیکھتے ہیں۔''

وہ ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' پڑھ کر آیت پڑھنے لگا۔ ''اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی' پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ بے شک اس میں البتہ ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور سے سنتے ہیں۔'' چہرہ اٹھایا اور اپنی ازلی معصوم مگر پیاری مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

''اب بظاہر یہ زمینداروں اور کسانوں سے متعلقہ آیت لگتی ہے' کہ کیسے بارش کے بعد بنجر زمین زرخیز ہو جاتی ہے' مگر جو لوگ سنتے ہیں' یعنی جو لوگ قرآن کو غور سے سنا کرتے ہیں' ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں عموماً جب' آسمان سے نازل شدہ پانی' کا ذکر کرتے ہیں' تو اس سے مراد وحی ہوتی ہے۔ وحی الٰہی۔'' قدرے توقف سے کہنے لگا۔

''وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ایک تو قرآن' اور الہامی کتابوں کی صورت میں۔ان میں اللہ بندے سے مخاطب ہوتے ہیں۔دوسرا یہ کہ اللہ پردے کے پیچھے سے خود بندے سے مخاطب ہوں' جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پہ ہوتے تھے' یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کے موقعے پہ ہوئے تھے۔تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ اپنے فرشتے کو انسان کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجیں۔اس تیسری وحی کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو جو انبیاءء کے پاس جبریل علیہ السلام کے ذریعے اترا کرتی تھی۔اور دوسری ''الہام'' یعنی دل میں خیال کا ڈالے جانا۔یہ ہر انسان کو ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھیے' الہام شیطانی بھی ہوسکتا ہے' اور فرشتے کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے' اس کو جج آپ شریعت کے اصولوں پہ ہی کریں گے۔یہی الہام موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہوا تھا جس کی بنا پہ انہوں نے اپنا بچہ نیل میں اتارا تھا' اور یہی شہد کی مکھی کو ہوا تھا' یعنی ان کے دل میں خیال ڈالا گیا تھا۔'' چند لمحے کے لئے رک کر قرآن کو دیکھا۔

''تو ان پانچ آیات میں پہلی قسم کی ڈرنک ''پانی'' ہے۔وحی الہیٰ جو آسمان سے اترتی ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔کوئی بھی چیز دل کو ایسے زندہ نہیں کرتی جیسے قرآن کرتا ہے' اور کوئی بھی چیز ایسے دل مردہ نہیں کرتی جیسے اونچے قہقہے کرتے ہیں۔''

پھر صفحہ پلٹایا۔''اگلی آیت دیکھتے ہیں۔'' پہلے عربی پڑھی' پھر اردو میں بتانے لگا۔

''۔اور بے شک تمہارے لئے مویشی جانوروں میں ایک سبق ہے۔ہم تمہیں ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں' خوشگوار ہے وہ پینے والوں کے لئے۔'' سعدی نے چہرہ اٹھایا۔

''بارش وہ چیز ہے' جو فصل پہ ہو یا دل پہ' اس کا فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔بارش کو اللہ نے ہمیشہ رحمت کہا ہے' کسی قوم کو بارش سے عذاب نہیں دیا' ہم ڈیم نہیں بناتے' اور پلاننگ نہیں کرتے' اس لئے بارش زحمت بن جاتی ہے' ورنہ بارش تو سراسر فائدہ ہوتی ہے۔اب دوسری قسم کی چیز دیکھئے۔دودھ۔'' وہ کہہ رہا تھا اور حنین ہر شے بھلائے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔اسے یہ سب اس طرح کیوں نہیں سمجھ آیا تھا جیسے سعدی کو آیا تھا؟

''دودھ ان اچھی چیزوں کی مثال بیان کرتا ہے جو بری چیزوں سے نکلتی ہیں۔خون اور گوبر کے درمیان سے خالص اور پاک دودھ کا نکلنا' ہمیں یہ بتاتا ہے کہ برے سے برے حالات میں بھی ہم اپنے خلوص اور پاکیزہ نیت سے راستے نکال سکتے ہیں' اگر ہم چاہیں تو۔آپ کو معلوم ہوگا وہ واقعہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین پیالوں میں سے دودھ کا انتخاب فرمایا تھا۔کیونکہ دودھ عین فطرت ہے۔تو فطرت میں کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی' آپ گندگی میں سے بھی اچھی چیز نکال سکتے ہیں۔اب تیسری ڈرنک دیکھئے۔''

قرآن سے پڑھ کر سنانے لگا۔

''اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بنا لیتے ہو نشہ آور چیزیں (شراب) اور اچھا رزق (بھی بناتے ہو)۔بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو عقل رکھتی ہے۔''

''تو میرے عقل والے دوستوں' تیسرا مشروب' یعنی شراب بنایا جاتا ہے پاکیزہ پھلوں سے۔کھجور جیسے شجرِ طیبہ سے بھی بری چیزیں بن سکتی ہے۔یہ سب آپ کے اوپر ہے۔آپ اچھی چیز سے بھی بری بنا سکتے ہیں' اور بری سے بھی اچھی نکال سکتے ہیں۔اس لئے چیزوں کو درست استعمال کریں۔کمپیوٹر سے اچھے کام کیا کریں۔جو نہیں دیکھنا چاہیے' وہ نہ دیکھا کریں۔اور جس کی اجازت نہیں ہے' وہ بھی نہ کیا کریں۔ آپ کوئی ناول پڑھ رہے ہیں' مگر پیرنٹس نے اجازت نہیں دی ناولز پڑھنے کی' تو اسے پڑھ کر آپ پیرنٹس کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں۔ان کو کنوینس کریں' لیکن چھپ کر مت پڑھیں۔یہ غلط ہے۔''

پھر اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوا۔

''اور وحی کی تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف۔

کہ بنالے اپنا گھر پہاڑوں پہ
'اور درختوں میں' اور اس میں جو وہ چڑھاتے ہیں (اونچی چھتیں)
پھر کھا ہر قسم کے پھلوں میں سے۔
پھر چلتی رہ اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔
نکلتا ہے ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے شربت۔
مختلف ہیں رنگ اس کے۔
شفاء ہے اس میں لوگوں کے لئے۔
البتہ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

سعدی چہرہ اٹھا کر واپس کیمرے میں دیکھنے لگا۔ ''بظاہر یہ ایک بہت سادہ سی آیت ہے۔ اس میں چوتھے مشروب کا ذکر ہے۔ شہد۔ جس کے پینے میں شفا ہے۔ میری ٹیچر کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شہد کے ''پینے'' میں شفا کا ذکر کیا ہے۔ ویسے شہد پینے اور شہد کھانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کبھی آزما کر دیکھئے گا۔'' ذرا رک کر گہری سانس لی۔ حنین بے قراری سے اس کو دیکھتی اس کے اگلے الفاظ کی منتظر تھی۔

''اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ آبادیوں سے دور' اونچی محفوظ جگہوں پہ اپنے گھر بنائے' پھلوں میں سے کھائے' اور آسان راستوں پہ چلے۔ پھر جو اس کے پیٹ سے نکلے گا' شہد' اور ایک دوسری رطوبت بھی وہ شفا بخش ہوتی ہے۔ یہ تو ہو گیا آسان ترجمہ۔ مگر غور وفکر کرنے والے لوگ سادہ ترجمے پہ بس نہیں کرتے۔ ان کو کوئی نہ کوئی مزید مطلب ڈھونڈنا ہوتا ہے' اور وقت اور حالات کے ساتھ یہ مطلب بدل جایا کرتے ہیں' قرآن میں وسعت ہے' مگر افسوس کہ قرآن پڑھنے والوں میں وسعت نہیں ہے۔ خیر۔'' صفحے پہ ایک نظر دوڑاتے گردن جھکائی۔

''میں کافی دیر شہد ڈھونڈتا رہا۔ خالص شہد' پھر مجھے اندازہ ہوا کہ خالص شہد ناپید ہوتا جا رہا ہے' تو میں شہد کی مکھی کی طرف آیا۔ اس آیت میں ٹھوس شے وہی تھی۔ مجھے اس دوران ایک دلچسپ ریسرچ ملی۔ گو کہ کچھ لوگ اس تحقیق کو نہیں مانتے' اور وہ کہتے ہیں کہ شہد کی کمی کی وجہ biopestides کا بے دریغ استعمال ہے' لیکن میں اس تحقیق کو مان سکتا ہوں' کیونکہ مجھے اس میں اور اس آیت میں ایک لنک نظر آتا ہے۔''

کہنے کے ساتھ اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور اس کی تاریک اسکرین کمرے میں دکھائی دی۔ ''شہد کیوں ناپید ہوتا جا رہا ہے' اس کی وجہ ہے یہ چیز۔ نہیں' یہ موبائل نہیں' بلکہ اس کے گرد چکراتا' اَن دیکھا موبائل سگنل۔''

فون رکھا اور پھر سے سامنے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ موبائل سگنل بہت عجیب چیز ہے' آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں' کوئی آپ کو فون کرے تو یہ آپ کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ عین آپ کے کان کے قریب آ بجتا ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ جگہ جگہ اونچے ٹاورز لگے ہوتے ہیں

جن سے جڑا ان نادیدہ لہروں کا جال پوری دنیا میں بچھا ہے' یہاں تک کہ دنیا انہی کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ مگر یہ بری بات نہیں ہے' سیل فون ایک ضرورت ہے' ٹیکنالوجی ہے۔ سب کے پاس ہوتا ہی ہے۔ لیکن.....''

حنین کی آنکھیں یکدم بھیگنے لگیں۔ اس کو یاد تھا کہ وہ آگے کیا کہے گا' مگر وہ اسے ایسے سنے گی' اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

''لیکن ہوا یوں کہ شہد کی مکھی اللہ کے حکم پہ دور پہاڑوں درختوں میں اپنا گھر بنا لیتی ہے' وہ سارا دن باہر پھرتی ہے' ہر پھول پھل پہ بیٹھتی ہے' اس کا رس لیتی ہے' اور پھر وہ واپس اپنے گھر جاتی ہے' اور.....نہیں۔ یہیں رک جائیں۔ کیونکہ جب بچپن میں آپ نے یہ عمل پڑھا تھا' تب شہد کی مکھیاں گھروں کو لوٹتی تھیں' مگر آج 2014ء میں ایسا نہیں ہوتا۔ وجہ ہے.....یہ!'' موبائل کی طرف اشارہ کیا۔

''جب مکھی گھر سے نکلتی ہے تو اس کو اپنے گھر کا راستہ مقناطیسی لہروں کی مدد سے یاد رہتا ہے۔ وہ پھول پھل پہ بیٹھتی ہے' اور رس لے کر واپس گھر کی طرف اڑتی ہے' لیکن درمیان میں... موبائل سگنلز کی لہروں کا جال بچھا ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی جب کسی سگنل کی لہر سے ٹکراتی ہے' تو مقناطیسی فیلڈ متاثر ہوتا ہے' یوں سمجھیں وہ چکرا کر رہ جاتی ہے' اور ''کنفیوژڈ'' ہو جاتی ہے۔ اس فکر سے وہ سمت کا تعین کھو دیتی ہے۔ وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جاتی ہے۔ وہ پھر ماری ماری ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑتی ہے' اور یونہی بھٹک بھٹک کر کہیں گر کر مر جاتی ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ گھر لوٹنے والی مکھیوں کی تعداد کم سے کم ہو رہی ہے۔ اور جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے سوچا... کہ یہ آیتِ نحل ہے' اتنی اہم آیت جس میں سورۃ کا نام لکھا ہے' تو شہد کی مکھی کی مثال بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟''

حنین نے آنکھیں بند کر لیں' ان سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ ایک سال پہلے کا سعدی بے خبر سا اسے کہہ رہا تھا۔

''تب مجھے احساس ہوا کہ..... یہ موبائلز ہماری دنیا سے مٹھاس کیسے غائب کر رہے ہیں۔ کتنی ہی پیاری اور اچھی لڑکیاں' جنہوں نے شہد سے میٹھے گھر بنانے تھے' وہ روز گھر سے نکلتی ہیں' پھولوں' رنگوں اور خوشبوؤں کی آس لے کر' آسمان راستوں پہ چلتی ہیں' مگر پھر..... درمیان میں یہ موبائل سگنلز آ جاتے ہیں۔ اور ان کے راستے مشکل ہو جاتے ہیں۔ وہ کنفیوز ہو جاتی ہیں۔ کسی نامحرم سے فون پہ بات کرنے کے لئے ڈھیروں دلیلیں گھڑتی ہیں' فتوے لیتی ہیں' کزن بھی تو بھائی ہوتا ہے' اسلام اتنا بھی سخت نہیں' میں کوئی غلط بات تو نہیں کر رہی' وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی کرب اور تکلیف میں وہ گھر کا راستہ بھول جاتی ہیں۔ وہ در بدر بھٹکتی رہتی ہیں۔ انہوں نے تو آسمان راستوں پہ چلنا تھا' اپنے دلوں میں موجود قرآن سے' اور نور سے' لوگوں کو شفا دینی تھی' اپنے ٹیلنٹ اور پوٹینشل کو میٹھے کاموں کے لئے استعمال کرنا تھا' مگر یہ موبائل سگنلز ان کو بیمار کر دیتے ہیں۔ مرضِ عشق بہت موذی مرض ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی اس میں مبتلا ہے تو یاد رکھئے' اس مرض کی شفا ہے' لیکن اس شفا کے لئے پہلے آپ کو اپنے راستے ٹھیک کرنے ہوں گے۔ وہ مشکل راہیں جن میں کرب ہے' پکڑے جانے کا خوف ہے' ان کو ترک کرنا ہوگا۔'' کہنے کے ساتھ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''وقت کم ہے' میں اپنی باتوں سے کسی کو بور بھی نہیں کرنا چاہتا' اس لئے قصہ مختصر' یہ آیاتِ نحل ہمیں سکھاتی ہیں کہ جیسے گوبر اور خون کے درمیان سے پاکیزہ چیز نکل سکتی ہے' اور جیسے انگور اور کھجور سے ناپاک شے بن سکتی ہے' ویسے ہی شہد کی مکھی کے راستوں کو مشکل بنانے والی چیزوں کا صحیح یا غلط استعمال آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اتنا یاد رکھئے گا' کہ جو آپ کے نصیب میں ہے' وہ آپ کو ضرور ملے گا۔ چاہے حرام سے' چاہے حلال سے۔ لیکن اگر آپ اس کو حرام سے لینے کی کوشش کریں گے' تو اللہ آپ کے حلال کی لذت لے لے گا۔ کچھ میاں بیوی پسند کی شادی کے باوجود بڑی ناخوش زندگی گزار رہے ہوتے ہیں' کبھی سوچا ہے کیوں؟ کیونکہ وہ شادی سے پہلے سب حرام سے لے چکے ہوتے ہیں' جو بعد میں ان کو مل ہی جانا تھا' اس لئے ان کے حلال کی مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کسی کے ساتھ بھلے اپنے منگیتر کے ساتھ ہی سیل فون پہ انوالوڈ ہیں' تو اتنا یاد رکھیں کہ محرم اور نامحرم کے قوانین آپ کی دلیلوں اور حیلوں بہانوں سے بدل نہیں جائیں گے۔ جو غلط ہے' وہ غلط ہے۔ آپ جتنا حرام لیں گے' اتنا اپنے حلال کو کھوتے جائیں گے۔''

ایک ٹایئے کو رک کر اس نے طویل سانس بھری۔ ''لیکن' اس کے برعکس اگر آپ حرام چھوڑ دیں' جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے' اس کو اللہ کے لئے ترک کر دیں' تو اللہ وہی چیز کچھ ہی عرصے میں آپ کو حلال بنا کر دے دے گا۔ یہ میں نہیں کہہ رہا' یہ امام ابن قیم نے سات سو برس پہلے کہا تھا۔ آپ جانتے ہیں' اللہ کسی کا کچھ نہیں رکھتا' وہ بہت غیرت والا ہے' آپ جو بھی اس کی راہ میں صدقہ کریں' یا قربانی' تو وہ اس کو کئی گنا برکت دے کر آپ کو لوٹا دیتا ہے۔ اس لئے...'' دوبارہ گھڑی دیکھی۔ ''حرام کو چھوڑ دیں' اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اس کو حلال بنا کر آپ کو لوٹا دے گا۔ میرا وقت ختم ہوا۔ اپنے واٹس ایپ اسٹیٹس کو صرف چوبیس گھنٹوں کے لئے ان آیات میں تبدیل کر دیجئے گا تاکہ مجھے پتہ چل سکے کہ کس کس گروپ ممبر نے آج کی آیات سن لی ہیں اور مجھے پتہ ہے کہ آپ میں سے آدھے لوگوں نے نہیں سننی مگر خیر..... السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ!''

اور ہاتھ بڑھا کر اس نے کیمرہ آف کر دیا۔ ویڈیو بھی رک گئی اور حنین کی تو جیسے زندگی ہی ٹھہر گئی۔

وہ وہاں بیٹھی تھی' ہونٹوں پہ مٹھی رکھے' بھیگے چہرے کے ساتھ۔ آنسو ٹپ ٹپ تھوڑی سے گر رہے تھے۔ اس نے تین ماہ اتنی دلیلیں' اتنے جیسے' اتنی صفائیاں سوچی تھیں۔ سعدی نے ان کو دس منٹ کی ایک ویڈیو میں ختم کر دیا تھا۔ محرم اور نامحرم کے اصول؟ ساری بات ہی ختم ہو گئی۔ اس کا پورا دماغ سن تھا۔

زمر کام کرتے کرتے مڑی تو اس پہ نظر پڑی۔ وہ ائیر فونز لگائے' اسکرین کو آنسو بہاتے دیکھ رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' فکر مندی سے پوچھا۔

''آئینہ!'' وہ بس اتنا بولی۔ پھر فون اٹھایا' اور واٹس ایپ اسٹیٹس بدل دیا۔ ساتھ میں ویڈیو کلپ کا نشان بھی بنایا۔ بھائی نہیں دیکھ پاتا' وہ جانتی تھی' مگر یہ ایک عادت تھی جو گئے برسوں سے اس نے اپنا رکھی تھی۔ میں کچھ عرصے کے لئے اس نے فالو کی تھی' سو اب بھی کر لی۔

''حنین؟'' زمر نے نرمی سے پکارا۔ حنین جواب دیے بنا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ زمر نے رخ موڑ لیا اور اسے رونے دیا۔ وہ روتی گئی' روتی گئی' روتی گئی۔ یہاں تک کہ آنسو ختم ہو گئے۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا' آنکھیں رگڑیں اور ہاشم کو کال کی۔ (وہ واٹس ایپ پہ ہی کال کرتی تھی' اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ملک سے باہر ہے۔)

زمر نے رخ موڑے ایک ایک بات سنی جو اس نے ہاشم سے کہی اور پھر اس نے جب فون ڈالنے کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھا۔ وہ اب فق سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔ دونوں نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ خاموشی سب کہہ رہی تھی۔

اور اگر تم سے کبھی کوئی کہے' کہ انسان کی کی گئی نیکی گھوم پھر کر اس کے پاس ایک دن ضرور لوٹتی ہے' تو یقین کر لینا! کیونکہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔

❖❖❖

قصہ سازش اغیار کہوں یا نہ کہوں ۔۔۔ شکوہ یار طرحدار کروں یا نہ کروں؟

کلب کے لاؤنج میں روشنی مدھم تھی۔ بار کاؤنٹر کے ساتھ نوشیرواں اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا' اور مسلسل دونوں ہاتھوں سے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔

شہرین باریک ہیل سے چلتی قریب آئی اور ساتھ والے اسٹول پہ بیٹھی' رخ اس کی طرف موڑا' اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ شیرو نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کر ان میں خفگی آئی۔

''آپ ادھر؟ خیریت؟'' خشک روی سے کہتا' دوبارہ بٹن دبانے لگا۔ شہری نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر کاؤنٹر پہ ڈالا۔

''تین دن سے تمہیں کال کر رہی ہوں' اٹھاتے کیوں نہیں ہو؟'' نروٹھے پن سے گویا ہوئی۔ شیرو نے بے زاری سے شانے اچکائے۔ ''مجھ سے کیا کام آ پڑا آپ کو؟''

''ہر وقت مجھ سے خفا کیوں رہتے ہو؟ دیکھو ہم اچھے دوست بھی تو ہیں آؤ اب موڈ ٹھیک کرو' کارڈز کھیلتے ہیں۔'' اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ وہ زیادہ دیر بے زار رویہ برقرار نہ رکھ سکا' اور ساتھ کھنچتا آیا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں ایک میز کے گرد بیٹھے' پتے کھیل رہے تھے۔

''تم ہار رہے ہو شیرو!''

''نہیں۔۔۔ ابھی دیکھئے گا۔'' اس کی مکمل توجہ کارڈز پہ تھی۔ اپنے پتے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ اب کون سا پھینکے کہ۔۔۔

''مجھے کچھ دن کے لئے تمہاری جی فورٹی ون مل سکتی ہے؟'' ایک دم چونک کر شہری کو دیکھا۔ وہ بھی پتوں کو دیکھتے ہوئے سرسری انداز

میں پوچھ رہی تھی۔

''کیا؟'' بظاہر نا سمجھی دکھائی۔ شہری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اتنے ڈمب مت بنو۔ تمہاری جی فورٹی ون' گلاک گن جو پچھلی برتھ ڈے پہ تمہیں ہاشم نے گفٹ کی تھی' میرے سامنے تو تم نے تحفہ کھولا تھا۔ مجھے دے سکتے ہو چند دن کے لئے۔ کچھ دوستوں میں شو آف کرنا ہے۔''

شیرو نے پتے میز پہ ڈال دیے' تند ہی سے اسے دیکھا۔ ''تو یہ سارا میٹھا انداز اس لئے تھا؟ اور میں سمجھا آپ کو واقعی میرا خیال ہے۔''

''خیال ہے تو دوست سمجھ کر ایک گن مانگ رہی ہوں' نہیں دینی تو نہ دو۔ غصہ کیوں ہو رہے ہو؟''

نوشیرواں کے حلق میں کانٹے اگ آئے۔ ''میرے پاس جی فورٹی ون نہیں تھی' فورٹی فائیو تھی۔ ماڈل تو ٹھیک سے یاد رکھا کریں۔''

سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ہتھیلیاں نم تھیں' اور رنگت بدل رہی تھی۔

شہرین کارڈز رکھ کر آگے ہوئی اور بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''ریئلی؟ مجھے تو جی فورٹی ون یاد پڑتی ہے۔''

''تو پھر آپ اپنی یادداشت کا علاج کروائیں' کیونکہ میرے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے' سنا آپ نے؟'' بھڑک کر کہتے وہ اٹھا۔ پیشانی بھی تر ہو رہی تھی اور آنکھوں میں بے چینی سی تھی۔ شہری نے گردن اٹھا کر دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے' مجھے غلط یاد ہوگا' ایک گن ہی تو ہے' اس میں اتنا غصہ کیوں دکھا رہے ہو؟''

وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ ''آئندہ میرے راستے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے' جائیں' فارس کے آگے پیچھے پھریں۔ جیسے میں تو جانتا ہی نہیں۔''

شہرین کی ذرا رنگت بدلی' بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اب سیدھا ہو کر مڑ گیا تھا اور باہر کی طرف جا رہا تھا۔

مگر شہری کو اپنا جواب مل گیا تھا۔

.....❖❖❖.....

یہ رات اس درد کا شجر ہے ..... جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے

وہ رات جب قصرِ کاردار اور ملحقہ انیکسی پہ اتری تو ستمبر کی گرم اور حبس زدہ فضا سے پُر تھی۔ نوشیرواں اپنے بیڈ پہ بے چینی سے کروٹ بدل رہا تھا' ذہن میں ہاشم کی باتیں گونج رہی تھیں۔

(''میرے پاس شہرین سے بڑے مسائل ہیں اس وقت۔ تم نے جو کہا' وہ بہت ہے' مزید اس پہ بات مت کرو۔ کچھ نہیں معلوم ہوگا اسے۔'')

البتہ ایک عجیب سی پریشانی اس کے وجود سے لپٹی تھی۔ کیا یہ مسئلہ کبھی نہیں ختم ہوگا؟ سعدی یوسف کا آسیب اس کا پیچھا کب چھوڑے گا؟

اس کمرے سے دور ہٹو تو انیکسی کی تقریباً تمام بتیاں بجھی تھیں۔ فارس سو رہا تھا، جب زمرا حتیاط سے کمرے سے نکل آئی۔ تہہ خانے میں آ کر دروازہ لاک کیا، (دروازے ساؤنڈ پروف تھے) اور پھر جلدی سے فرش پہ بیٹھی حنہ تک آئی۔

''کیسے چارج کیا پین؟''

''لیپ ٹاپ سے۔ اس میں دو ویڈیوز ہیں۔ ایک جج صاحب کی ہے، میں نے ابھی وہی شروع کی تھی۔ دیکھیں۔'' وہ ویڈیو دیکھنے کے بعد دونوں نے اف جھرجھری لی۔ پھر حنہ نے دوسری ویڈیو کھولی۔ اب وہ دونوں فرش پہ بیٹھی تھیں' اور سامنے اسکرین کو چہرہ جھکائے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

منظر کھلا اور ایک راہداری سی نظر آئی۔ آفس کے باہر منظر۔ ٹیبل کے پیچھے موجود سیکرٹری۔ ڈیسک کیلنڈر پہ واضح لکھی تاریخ۔ اکیس مئی۔

خاور اور ایک ساتھ گارڈ۔ کیمرے کے آگے پیچھے تھپتھپا کر چیک کر رہے تھے۔ ایک موبائل' چابیاں نکال کر سیکرٹری کی ٹوکری میں رکھا۔ سعدی آواز پسِ منظر سے آئی۔ حنین کے ابرو اٹھے۔

''بھائی نے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا ہوا ہے پین۔''

''اور یہ ہاشم کا آفس ہے۔ وہ اس کی تلاشی لے رہے ہیں۔''

پھر ''او کے'' کے سگنل کے بعد کیمرہ آگے بڑھتا گیا۔ زمر کی آنکھوں میں تعجب ابھرا۔ ''وہ ڈیٹیکٹر سے چیک کر رہے تھے' تو پین کیوں نہیں پکڑا؟''

''ماموں کے اس کون آرٹسٹ دوست نے بتایا تو تھا، یہ پین نہیں پکڑا جاتا۔ خاور اسلحہ یا وائر ڈھونڈ رہا تھا' اسے لگا ہوگا کہ یہ عام پین ہے۔ وہ ہاشم کا مہمان تھا' خاور اس کا کوٹ تو نہیں اتروا سکتا تھا۔''

دونوں کی نظریں اب اسکرین پہ ٹھہر گئی تھیں۔ اندر آفس میں تینوں کردار زتھے۔ خاور تھا۔ سعدی نیکلیس میز پہ رکھ رہا تھا....

تہہ خانے میں لگی گھڑی کی ٹک ٹک واضح سنائی دے رہی تھی۔ سعدی قتل عمد کے بارے میں اسلام کے دونوں مذاہب کا نقطہ نظر بتا رہا تھا...

گھڑی کا پنڈولم مسلسل جھول رہا تھا... دائیں بائیں۔

وہ سعدی کو تیس کروڑ دے رہا تھا' جواب میں سعدی نے اس کے بھائی کی قیمت ساٹھ کروڑ لگائی تھی....

کونے میں چھوٹے سے باتھ روم کی ٹوٹی سے پانی لیک ہو رہا تھا۔ ٹپ ٹپ۔

ہاشم اب سعدی کو جج کو بلیک میل کرنے والا قصہ سنا رہا تھا۔ فائل دکھا رہا تھا۔

تہہ خانے میں پنکھے کی ہوا سے دیوار پہ لگے کاغذ ہلکے ہلکے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

ہاشم اب حنین کے امتحانی مرکز والے وکیل صاحب کو کال کر کے کہہ رہا تھا کہ وہ حنین کا کیس دوبارہ کھلوا سکتا ہے۔

پنکھے کی گڑ گڑ مسلسل سنائی دے رہی تھی....

اب سعدی باہر سیکرٹری کے ڈیسک کے ساتھ نوشیرواں کو کہہ رہا تھا کہ مرد بنے... اور پھر... لفٹ کے دروازے بند ہوتے دکھائی دیے... اور اسکرین تاریک ہوگئی۔

اس وقت... اس دنیا میں.... اس شہر میں.... اس گھر میں.... اور کوئی آواز نہیں تھی۔ سانس لینے کی بھی نہیں، دل دھڑکنے کی بھی نہیں۔

کہتے ہیں جب فرشتے روح نکالتے ہیں تو آواز تک نہیں آتی۔ مگر کیا کبھی تم نے شیطان کو روح نکالتے دیکھا ہے؟

اس کی بھی آواز نہیں آتی۔

مری سرکشی بھی تھی منفرد، مری عاجزی بھی کمال تھی

میں انا پرست بلا کا تھا، سو گرا تو اپنے ہی پاؤں میں!

''کاردارز نے کیا ہے یہ سب۔'' حنین کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ ''بھائی کو بھی انہوں نے ہی شوٹ کروایا تھا۔ بھائی انہی کے پاس ہے۔''

زمر فرش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے حنین کو نہیں دیکھا۔ بس ننگے پیروں سے زینے چڑھنے لگی۔ تہہ خانے کا دروازہ کھولا۔ لاؤنج خاموش پڑا تھا۔ وہ قدم قدم اٹھاتی سیڑھیوں تک آئی۔ اوپر چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ سب دھندلا تھا۔ اندھیرے اور روشنی کے فلیشز سے چمک رہے تھے۔ کبھی منظر صاف ہوتا' کبھی اندھیرا چھا جاتا۔ اس کو گرم گرم آنسو اپنے گالوں پہ گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے' اس نے اوپر چڑھنا چاہا۔ قدم وزنی تھے' دل بھاری تھا' اور سانس... سانس اکھڑتی تھی۔

چوتھے زینے پہ وہ رکی' دہرے ہو کر چند گہرے سانس لئے.... پانی سے لدی آنکھیں جھپکیں' پھر قدم اٹھائے۔ سر چکرا رہا تھا۔ اندھیرا۔ روشنی۔ پھر اندھیرا۔ دھواں ہی دھواں تھا۔

وہ اوپری سیڑھی پہ گھٹنوں کے بل گر سی گئی۔ ہاتھ ریلنگ سے پھسلتا نیچے آ گرا۔ چہرہ جھکائے' تیز تیز سانس لیتے' وہ دوہری ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم پانی میں روانی آ گئی تھی' مگر ایسے لگتا تھا' وہ سب کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کسی سلوموشن فلم کی طرح۔

دونوں ہاتھ فرش پہ رکھے' وہ دوہری ہوئی' پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگیں' مگر ان کی آواز نہیں آتی تھی۔ سانس بے ترتیب تھا' اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔ دل لگتا تھا کسی نے کند چھری سے چار ٹکڑوں میں کاٹ دیا ہو۔ اندر سے خون بھل بھل نکلنے لگا ہو' اور اوپر سے آنسو گر رہے ہوں۔ اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔

اس نے گیلے چہرے' اور اکھڑتے سانس کے ساتھ کھڑے ہونے کی کوشش کی' پیروں میں جان نہیں تھی۔ بدقت وہ کھڑی ہوئی۔ دیوار کا سہارا لیا۔ اس کو واقعی سانس نہیں آ رہا تھا۔

دیوار پہ ہاتھ رکھے' اس نے دروازہ دھکیلا۔ اندر مدھم نائٹ بلب جلا تھا۔ وہ کاؤچ پہ سو رہا تھا۔ وہ آج آفس سے تھکا ہوا آیا تھا' اس لئے بے خبر سو رہا تھا.... بے خبری بھی نعمت تھی۔ وہ نعمت زمر یوسف خان سے چھن چکی تھی۔

وہ دروازے سے سر لگائے' وہیں چوکھٹ میں بیٹھتی گئی۔ اندر اے سی کی ٹھنڈ تھی۔ اسے یکدم سخت سردی لگنے لگی تھی۔ ہونٹ نیلے پڑنے لگے۔ سانس ڈوبتا جا رہا تھا۔

پہلی دفعہ' ہاشم کے ذہن میں گونجتے فقروں' فارس کی بے گناہی' سعدی' ان سب سے ہٹ کر پہلی دفعہ' زمر کو احساس ہوا کہ اسے واقعتاً سانس نہیں آ رہا۔ وہ کیفیت صرف جذباتی نہیں تھی۔ وہ جسمانی تھی۔ اسے ایستھما اٹیک ہو رہا تھا۔ اس نے کھانسنے کی کوشش کی' نہ ہوا اندر جاتی تھی' نہ باہر آتی تھی۔ اس کے ناخن سفید پڑ رہے تھے۔ منظر اندھیرے میں ڈوبتا' کبھی واپس روشن ہوتا....

نیم جان آنکھوں میں بے بسی لئے اس نے صوفے پہ لیٹے فارس کو دیکھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ویڈیو دیکھنے سے پہلے' یا ان تین ماہ میں اگر کسی کو وہ اس تکلیف میں آواز دے سکتی تھی' تو وہ وہی تھا۔ مگر اب؟ کھویا ہوا حق کوئی کیسے واپس لائے؟

''فارس!'' اس نے مدھم سرگوشی میں پکارا۔ آنکھوں سے آنسو برابر گر رہے تھے۔ دل پہ مٹھی رکھے' وہ شدید تکلیف میں کھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ تھکا ہوا تھا' اور واقعی نیند میں تھا' اس تک آواز نہیں گئی۔ زمر بمشکل اٹھی۔ چند قدم خود کو گھسیٹا۔ صوفے کے آگے رکھی میز کا کونہ پکڑے پکڑے شدید تکلیف میں بیٹھی۔ وہیں فرش پہ۔

(فارس!) آواز نہیں نکلی۔ صرف ہونٹ ہلے۔ اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ اس نے بے جان ہوتے ہاتھ سے فارس کی آنکھوں پہ رکھا بازو ہلایا۔

''فارس.... اٹھو!'' آواز اب بھی نہ نکل پائی' مگر فارس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو ہٹایا اور ایک دم اٹھتے ہی دوسرا ہاتھ تکیے تلے رکھی پستول تک گیا' مگر پھر' وہ رک گیا۔

''زمر؟'' خوابیدہ آنکھوں میں تعجب بھرے وہ اٹھا۔ اور پھر... کوئی احساسِ طمانیت تھا جو زمر کا منظر پھر سے دھندلانے لگا۔ نڈھال' تھکن زدہ۔

اگلے مناظر اس کو ٹوٹ ٹوٹ کر نظر آئے تھے۔ اندھیرے کے درمیان چند روشن کلپس... وہ پریشانی سے اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اسے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا وہ روشن باتھ روم کے سنک پہ کھڑی تھی' اور آئینے میں اسے نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹوٹی سے اس کا منہ دھلا رہا ہے۔ اب بھی وہ اسے پکار رہا تھا... اندھیرا... پھر روشنی... اس نے دیکھا کہ وہ بیڈ پہ لیٹی تھی' تکیوں کے سہارے سر کی جگہ اونچی تھی' سردی کے

ہاتھ اس نے لحاف گردن تک تان رکھا تھا۔ پنکھا' اے سی سب بند تھا۔ اور وہ اس کو ان ہیلر دے رہا تھا...

زمر نے نڈھال سی ہو کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر کے چند گہرے سانس لئے۔ آکسیجن بحال ہو چکی تھی۔ اس کی رنگت بہتر ہو رہی تھی۔ آنکھیں کھولیں وہ ساتھ' ایک گھٹنا موڑے بیڈ پہ بیٹھا' فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اسے آواز آنے لگی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''آپ اپنے ایستھما کے لئے اِن ہیلر کیوں نہیں رکھتیں ساتھ؟ آپ کو اندازہ ہے' اگر آپا کے میڈیسن کیبنیٹ میں اِن ہیلر نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟''

اس نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اسے لگا وہ اسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہے۔ پوری آستین کی ٹی شرٹ' ٹراؤزر' چھوٹے کٹے بال اور ہلکی بڑھی شیو۔ آنکھوں میں چھایا تفکر۔ زمر بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے' اسے دیکھتی رہی۔

''وہ بیج زہریلے تھے!''

فارس ناسمجھی سے ذرا آگے ہوا۔ ''کیا چیز؟''

''کئی سال پہلے... جب یہ شہر... اسلام آباد... غیر آباد تھا... اور ہم... ہم سادہ' غریب لوگ تھے...'' اس کے چہرے کو تکتی وہ کہہ رہی تھی ''تو ہم نے... ہم نے ایک غلطی کی۔ ہم نے غلط دوست بنائے فارس... ہم نے... آسٹریلیا سے دوستی کی... اس وقت وہ... ہمیں بے ضرر لگتے تھے... امیر تھے' مگر اچھے تھے۔ خوش اخلاق تھے... ہمیں لگا وہ ہمارے جیسے ہی ہیں' ہمارا بھلا چاہتے ہیں....'' آنکھوں سے گرتے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔ وہ غور سے اسے دیکھتا' اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ہماری حکومت... ہم.... اپنا شہر آباد کرنا چاہتے تھے... ہمارے امیر دوست نے کہا وہ ہمارے مدد کرے گا... ہم نے اس پہ بھروسہ کیا... نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فارس ہم نے کیوں اس پہ بھروسہ کیا؟'' بے چارگی سے پوچھتے وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

''آپ بے کار باتیں مت سوچیں' آرام سے سو جائیں' اب آپ کا سانس ٹھیک ہے۔'' وہ نرمی سے اس کی توجہ ہٹا رہا تھا' مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اسی طرح روتے کہتی رہی۔

''تمہیں پتہ ہے... آسٹریلین حکومت نے ہمیں بیج دیے' پھر اوپر...'' اشارہ کیا۔ ''اوپر ہیلی کاپٹر سے وہ بیج پورے شہر میں گرائے گئے... ان سے درخت نکلے... اونچے مضبوط تناور درخت... وہ فارس ہماری دوستی کی علامت تھی... مگر وہ بیج زہریلے تھے... انہوں نے... اس شہر کو تباہ کر دیا۔ ان درختوں کی جڑیں میلوں دور تک پھیلی ہیں' اور وہ اس شہر کا میٹھا پانی پی گئے... اور ان کے پتے... ان کے پتے ایستھما لاحق کرتے ہیں... اس دوستی نے ہم سے ہمارا سانس تک چھین لیا فارس... ہم نے کیوں ان پہ اعتبار کیا؟'' وہ پھر سے بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

''زمر گورنمنٹ پالیسی آپ کی غلطی نہیں ہے۔ وہ درخت آسٹریلیا میں بھی ہیں' بس ہمارے ماحول کو سوٹ نہیں کیے' جیسے ان کو خرگوش سوٹ نہیں کیے تھے۔ آپ کا ایستھما ٹھیک ہو جائے گا۔''

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ تکلیف اب کبھی نہیں جائے گی۔ جب... جب وہ درخت لگائے جا رہے ہوں گے... تو کسی نے تو روکا ہوگا... کہا ہوگا کہ اس کی بات سنی جائے... ہم نے اس کی بات کیوں نہیں سنی؟ ہم اتنے ضدی' اتنے ہٹ دھرم' اتنے اندھے بہرے کیوں ہو گئے تھے؟ ہم نے اس کو کیوں نہیں سنا؟ اس کو ایک دفعہ وضاحت کا موقع کیوں نہیں دیا؟''

''زمر....'' اس نے غور سے زمر کی روتی آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیا کچھ ہوا ہے؟ کوئی اور بھی بات ہے؟ یا یہ صرف اس دمے کی تکلیف کی وجہ سے ہے؟''

زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''یہ تکلیف چھوٹی نہیں ہے۔ یہ تکلیف بہت زیادہ ہے فارس۔'' مٹھی سے دل پہ دستک دی۔ ''مجھے اندر تک جلن ہو رہی ہے۔''

اس نے تشویش سے پوچھا۔ ''پہلے کبھی ہوا ہے اتنا درد؟''

''کبھی نہیں ہوا۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی تکلیف ہوگی فارس! میں کدھر جاؤں فارس؟''

''اٹھیں' میں آپ کو ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔'' وہ واقعی اٹھ رہا تھا۔ زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''ضد مت کریں۔''

''ضد؟'' اس کے دل کو آری نے چیر کر رکھ دیا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور ٹیک چھوڑ کر لمبی لیٹ گئی۔

''مجھے سونا ہے، اور کبھی نہیں اٹھنا۔'' اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ کھڑا چند لمحے کے لئے اسے دیکھتا رہا۔

''کچھ کھانے کے لئے لادوں آپ کو؟''

''زہر دے سکتے ہو؟'' وہ بند آنکھوں سے بڑبڑائی تھی۔

''استغفراللہ۔ کیوں مجھے دوبارہ جیل بھیجنا چاہتی ہیں؟'' اور فارس غازی تو ایسی باتیں کرتا رہتا تھا' اب بھی کہہ کر جھکا' اور اس کا تکیہ ٹھیک کرنے لگا۔ زمر نے آنکھیں کھولیں' ان میں ایسا دل کٹنے والا احساس تھا کہ... الفاظ کو روک نہ پائی۔

''تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہوتی؟''

وہ جھک کر تکیہ درست کرتا رکا۔ قدرے تعجب سے اس کو دیکھا۔ ''مجھے آپ سے نفرت کیوں ہوگی؟''

''میں نے چار سال پہلے تمہیں قید میں ڈالا تھا!''

''آپ نے سات سال پہلے مجھے قید میں ڈالا تھا!'' وہ ہلکا سا بولا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وقت چند لمحوں کے لئے بالکل تھم گیا۔ اس کا سانس پھر سے تھم گیا۔ مگر اب یہ دمہ نہیں تھا۔ یہ کچھ اور تھا۔

زمر کی آنکھوں سے آنسو ایک دفعہ پھر بہنے لگے۔ وہ سیدھا ہوگیا۔ نظریں چرا کر اس کو سونے کی تائید کرنے لگا۔ زمر نے آنکھیں بند کرلیں۔

اب وہ واپس صوفے کی طرف جا رہا تھا....

نیچے تہہ خانے میں بتی اور پنکھا ہنوز چل رہا تھا۔ گھڑی کی ٹِک ٹِک' ٹوٹی کی ٹپ ٹپ... سب سنائی دے رہی تھی۔ حنین اسی طرح بے سدھ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں روئی تھی۔ بس بھنویں بھینچے بیٹھی رہی' بیٹھی رہی' بیٹھی رہی۔

پھر ایک دم اٹھی۔ تیزی سے اوپر آئی۔ گھر خاموش اور ساکن تھا۔ وہ کچن میں آئی۔ اسٹینڈ سے پھل کاٹنے والا چاقو اٹھایا اور بیرونی دروازے سے باہر نکل آئی۔

باہر سبزہ زار رات کے اس پہر خاموش پڑا تھا۔ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا' شاید بارہ یا ایک بجے تھے۔ وہ تیز قدموں سے گھاس پہ چلتی آگے جا رہی تھی' اس کا چہرہ پتھریلا تھا' اور آنکھوں میں شعلے سے لپک رہے تھے۔

وہ کھڑی کتنی ہی دیر اس قصر کو دیکھتی رہی، پھر کنارے پہ لگی درختوں تک آئی۔ ایک درخت کے قدموں میں بیٹھی اور زور زور سے اس کے تنے پہ چاقو مارنے لگی۔ ضرب در ضرب۔ نفرت سے، غصے سے، شاک سے۔

''حنین!'' آواز پہ چونک کر گردن گھمائی۔ خاور موبائل پہ بات کرتا اس طرف آ رہا تھا۔ پھر فون رکھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

''تم اس وقت ادھر کیا کر رہی ہو؟''

''میں اس درخت کو کاٹنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''فارس صاحب کو پتہ ہے کہ تم ادھر ہو؟ وہ خفا ہوں گے۔''

وہ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''مجھے یہ درخت زہر لگنے لگا ہے۔ دل چاہتا ہے اسے ایک ہی ضرب لگا کر گرا دوں؟ میں یہی سوچ کر چھری لیے گھر سے نکلی تھی۔ مگر میں غلط تھی۔ ایک ٹکڑے میں ذبح کر دینے سے تو سارا مزا ختم ہو جائے گا۔ کیوں نا بار بار کاٹا جائے؟ ہزار ٹکڑوں میں؟''

(اف ٹین ایجرز) خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے مسکرا کر اسے سائیلنٹ کیا۔ ''انگریزی فلمیں کم دیکھا کرو اور اب اندر جاؤ۔ فارس صاحب نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ جاؤ۔''

''تھینک یو، خاور...'' رکی۔ الجھن سے شانے اچکائے۔ ''میں آپ کو کیا کہہ کر پکارا کروں؟ صرف نام سے پکارنا برا لگتا ہے اور ریلیشن شپ ٹائٹلز سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے۔''

''کرنل خاور! تم مجھے کرنل خاور کہہ سکتی ہو۔''

''اوہ یس۔ آپ ایکس ملٹری ہیں نا' یاد آیا۔'' حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اچھا لگا آپ سے بات کر کے کرنل خاور۔ ہمیں اکثر بات کرنی چاہیے۔'' وہ سر کو خم دیتا مڑ کر جانے لگا تو حنہ نے پکارا۔ ''کرنل خاور... آپ کی فیملی ہے؟''

خاور نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ''ظاہر ہے!''

''اچھا۔ کون کون ہے آپ کی فیملی میں؟''

''میری والدہ' میری بیوی اور...'' ذرا رکا' چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ ''میرا بیٹا۔''

''گڈ!'' اذیت سے مسکرائی۔ خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ وہ مڑ گیا تو حنین بھی گھر کی طرف واپس چلی آئی۔ اس کی آنکھیں سرخ مگر خشک تھیں۔

.....❖❖❖.....

انا پرست تو ہم بھی غضب کے ہیں لیکن ..... تیرے غرور کا بس احترام کرتے ہیں

رات جانے کس پہر بارش ہوئی تھی کہ جب صبح طلوع ہوئی تو موسم خوشگوار اور ابر آلود تھا۔ زمر نے کروٹ بدلی' نیند ٹوٹی تو آنکھیں کھولیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا گھڑی پہن رہا تھا۔ کھڑکی سے روشنی اندر چھن چھن کر آ رہی تھی۔

زمر کی آنکھیں بدستور جل رہی تھیں۔ اسی طرح کروٹ کے بل لیٹے' لحاف گردن تک تانے' ہلکا سا پکارا۔

''فارس!'' وہ چونک کر مڑا۔ راؤنڈ نیک کی شرٹ میں ملبوس' وہ گھڑی کی اسٹریپ بند کرتے آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر...'' وہ رکی، آواز خراب گلے جیسی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ تھا مجھے ایستھما ہے؟''

''مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ پتہ ہے۔ اسی لئے...'' اسٹریپ کا بکل بند کرتے ہوئے وہ اس کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔ ''کیا کل کچھ ہوا تھا؟ آپ صرف ایستھما کی وجہ سے ایسے نہیں رویا کرتیں۔''

زمر نے تھوک نگلا۔ ذرا سا بدقت مسکرائی۔ ''مجھے سعدی یاد آ رہا تھا' اور میں اس سے چار سال تک تعلق نہ رکھنے پہ گلٹی تھی۔ اب بھی

میں بہت بہت گلٹی ہوں فارس!'' گلا پھر سے رندھا۔

''وہ مل جائے گا' میں اسے ڈھونڈ لوں گا' یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' پھر گھڑی دیکھی۔ ''میں چلتا ہوں' آپ آرام کیجئے گا۔''

''تم مجھے آپ کیوں کہتے ہو؟'' اسے عجیب وقت پہ عجیب سوال یاد آرہے تھے۔

فارس نے ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔''

اور فارس غازی تو اکثر ایسی باتیں کیا کرتا تھا۔ لیکن آج سے پہلے اتنا درد نہیں ہوا تھا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کل رات کے لئے شکریہ!''

اس نے محض سر کو خم دیا اور مڑ گیا۔ مگر جاتے جاتے اس نے ایک دفعہ پھر زمر کو غور سے دیکھا تھا۔ (کچھ ہوا ہے اس کے ساتھ۔ کچھ بدل گیا ہے۔) لیکن کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

بیدار اہلِ قافلہ سونے کے دن گئے
ہشیار آگ سے ہے جنگل گھرا ہوا

چند گھنٹے مزید گزرے تو وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتی سیڑھیاں اترتی دکھائی دی۔ بڑے ابا کے کمرے سے ملحقہ اسٹڈی کا دروازہ کھلا تھا۔ نیچے کشن رکھ کر نیم دراز حنین نظر آرہی تھی۔ وہ ادھر آئی' دروازہ بند کیا اور کاؤچ پہ آبیٹھی۔ دونوں نے خالی ویران نظروں کا تبادلہ کیا۔

''میں نے پین سے وہ فلم مٹا دی ہے، اور اس کو سات مختلف جگہوں اور سی ڈیز میں ڈال کر محفوظ کر دیا ہے۔ آپ کیسی ہیں؟''

''تم کیسی ہو؟''

حنہ نے شانے اچکائے۔ ''میں شاکڈ ہوں۔''

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ زمر اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور حنہ چھت کو۔

''میں شروع میں فارس کو اچھا سمجھتی تھی' مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔''

''میں شروع میں ہاشم کو برا سمجھتی تھی' مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔''

زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

''میں نے اس پہ بالکل اعتبار نہیں کیا۔''

''میں نے اسی پہ اعتبار کیا۔'' حنین چھت کو دیکھتے میکانکی انداز میں بولی تھی۔

''میں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی حنہ!''

''میں صرف اسی کو سنتی رہی۔''

''مجھے نہیں پتہ تھا وہ ایسا نکلے گا۔ حنین!''

''مجھے بھی نہیں پتہ تھا وہ ایسا نکلے گا!''

''میں نے اس کا یقین کیوں نہیں کیا حنہ؟''

''میں نے اس کا یقین کیوں کیا' پھپھو؟''

پھر حنین نے نگاہوں کا رخ اس کی طرف پھیرا اور یاسیت سے اس کو دیکھا جو رات والے ملگجے لباس میں اداس سی کاؤچ پہ ننگے پاؤں بیٹھی تھی۔ ناک کی نتھ کی چمک ماند تھی۔ حنین کو احساس ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا عکس تھیں۔ مرر امیج۔ جو ہو بہو ایک سا ہونے کے باوجود دائیں بائیں سے الٹا ہوتا ہے۔

''فارس ماموں نے کیا کہا جب آپ نے ان کو بتایا؟''

زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔ حنین ایک دم اٹھی۔ سوگ جیسے ٹوٹا۔ ''اوہ گاڈ۔ آپ نے ان کو نہیں بتایا؟''

''میں اس کو نہیں بتاؤں گی! کیا مجھے بتانا چاہیے؟''

حنین بالکل چپ ہوگئی۔ ''ماموں ہاشم کو گولی مار دیں گے۔ وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرنا جانتے ہیں' لیکن اس ویڈیو سے وہ سمجھ جائیں گے کہ سعدی بھائی کا ردارز کے ہی پاس ہے۔ اور....''

''اور وہ اس دفعہ صرف ان کو ایکسپوز کرنے یا مالی نقصان پہ بس نہیں کرے گا۔ وہ ان کی جان لے لے گا۔ میں ساری رات سوچتی رہی ہوں حنین۔ یہ ڈاکٹر ایمن یا نیاز بیگ یا جسٹس سکندر نہیں ہے، یہ ہاشم کاردار ہے، فارس کا اس سے تعلق ہے۔ وہ پاگل ہو جائے گا اور سب خراب ہو جائے گا۔ اس کا دل اسے کنٹرول کرنے لگے گا۔ اور ایسے میں وہ غلطی کر بیٹھے گا۔'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''سعدی نے کہا تھا مجھے، اسے ہاشم پہ شک ہے، میں نے کیوں اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے فارس کی زندگی برباد کر دی حنہ!''

حنین اس کے قریب آئی۔ اس کے قدموں میں بیٹھے' اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے۔

''اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ انہوں نے ہر چیز بہترین طریقے سے پلان کی تھی۔ آپ نے اپنی صحت کھوئی تھی' آپ کے ابا کو فالج ہو گیا تھا' آپ اور کیا کرتیں؟''

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔''

''آپ نے سنی تھی' پھر اپنی گواہی بھی واپس لے لی تھی۔ آپ نے ان کو جیل نہیں بھیجا۔ یہ سب کرنل خاور اور ہاشم کاردار نے کیا ہے۔ میری طرح خود کو الزام دے کر مایوسی کا شکار مت ہوں۔ مجھے دیکھیں۔'' بے چارگی سے شانے اچکائے۔

''مجھے لگتا تھا میں بہت روؤں گی' مگر میں نہیں روئی۔ میرے اندر کی آگ میرے آنسوؤں کو سکھا چکی ہے۔ مجھے ان سے انتقام لینا ہے۔ کل میں خنجر لے کر ان کے گھر گئی' سوچا جو سامنے آئے اس کو قتل کر دوں گی۔ مگر پھر میں نے سوچا' کہ ہم' یوسف خاندان' ہم ان سے ہر دفعہ کیوں ہار جاتے ہیں؟ کیونکہ ہم یوسف بن کر سوچتے ہیں' ہم کاردار بن کر نہیں سوچتے۔''

''اور سعدی کو واپس لانے کے لیے ہمیں کاردار بن کر سوچنا ہوگا۔'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ نم آنکھیں رگڑیں۔ ''ہم فارس کو ابھی کچھ نہیں بتائیں گے۔ کاردارز نے ہمارے ساتھ ناٹک کھیلا اتنے برس۔ اب اداکاری کرنے کی باری ہماری ہے۔''

''اور ہم سے اچھی اداکاری وہ کر نہیں سکتے۔'' حنین انگارے ہوتی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ فارس ماموں کو اتنا تو بتا سکتی ہیں نا کہ آپ کو ان کی بے گناہی پہ یقین ہے؟''

زمر نے گہری سانس لی۔ ''حنین میں بہت گلٹی ہوں' مجھے نہیں لگتا میں کبھی دوبارہ لاء پریکٹس کر سکوں گی' میں نے اپنا اعتبار کھو دیا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے' لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں فارس کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گی' تو ایسا نہیں ہوگا۔ اگر میں زمر یوسف ہوں' تو میں سرنڈر نہیں کر سکتی۔''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔

''پھپھو ہم کیوں بے وقوف بن گئے؟ ہم تو اتنے جینئس لوگ تھے' اتنے اسمارٹ۔ کاردارز کو پہلے ہی دن سے کیوں نہ پکڑ سکے؟''

''یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا' ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔ حنین آپ جتنے اسمارٹ ہو جائیں' کوئی آپ سے زیادہ اسمارٹ ہوتا ہے' اور کبھی آپ ان سے زیادہ اسمارٹ ہوتے ہیں۔ ہم بے وقوف نہیں تھے۔ ہم صرف انسان تھے۔ ہم خدا نہیں تھے۔ ہم دلوں کا حال نہیں جان سکتے۔ وہ ہمارے اتنے اچھے' اتنے میز ڈاور ملنسار سے رشتے دار تھے' رشتے داروں پہ کون شک کرتا ہے حنہ؟''

''فی الحال ہمیں ان سے زیادہ اسمارٹ ہونے کی ضرورت ہے۔اگر ہماری کمزوریاں ہیں' تو ان کی بھی ہوں گی۔''

''ہم ان کمزوریوں کو ڈھونڈیں گے۔اور ہاشم کو ایسی سزا دیں گے' کہ دوبارہ وہ کسی کے ساتھ وہ نہ کر سکے جو ہمارے ساتھ کیا۔''

حنین ایک دم اٹھی۔''چاکلیٹ کھائیں گی؟''

کچھ دیر بعد اس کمرے میں جھانکو تو حنہ پاؤں لمبے کیے نیچے کشن پہ لیٹی تھی' اور زمر اوپر صوفے پہ لیٹی تھی۔دونوں اپنی اپنی چاکلیٹ کا ریپر کھول رہی تھیں۔فرش پہ گولڈن گول چاکلیٹس کا یہ بڑا سا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔اور ارد گرد دس بیس گولڈن ریپر بکھرے تھے۔آدھا ڈبہ ختم ہو چکا تھا۔

زمر نے ایک ریپر گول مروڑ کر نیچے اچھالا' اور چاکلیٹ چباتے ہوئے ایک دم ہنسنے لگی۔''میں واقعی چار سال پہلے ایک ریکارڈ کال سے بات کر رہی تھی' اور مجھے لگا' میں فارس کی روح کو قتل جیسے جرم سے بچا رہی ہوں۔''

حنین نے ہنستے ہنستے گردن پیچھے کو پھینکی۔''اور ہاشم اور اس کی بوٹوکس کی ماری ماں... بائیس مئی کی صبح ہمارے گھر آ کر بولے... ہمیں کیوں اطلاع نہیں دی؟ ہاہاہا۔'' زمر ہنستی جا رہی تھی۔

''اور ہم نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔''

حنین کے ہنستے ہنستے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔''اور میں ہاشم کو میسج کرتی رہی' وہ تو سارے میسج بھائی کو پڑھاتا ہوگا' کہ دیکھو' میں تمہاری بہن کے ساتھ کیا کیا کر سکتا ہوں۔''

زمر بھی ہنستی جا رہی تھی۔''اور ہاشم میرے ہاسپٹل بلز پے کرتا ہے۔جیسے مجھ پہ احسان کر رہا ہو۔'' حنین کے ہنستے ہنستے بہتے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی....

باہر لاؤنج میں سیم منہ بسورے بیٹھا تھا۔جو اندر چاکلیٹ کا ڈبہ کھایا جا رہا تھا وہ وہی تھا جو حنہ نے بہت پیار سے سیم کو برتھ ڈے پہ تحفے میں دیا تھا' اور آج اتنے ہی پیار سے اس کی الماری سے نکال لیا تھا۔تبھی فارس اندر داخل ہوا۔ابا کو سلام کر کے سیم کو پکارا۔

''تمہاری پھپھو اٹھی تھیں؟''

''ہاں' وہ اسٹڈی میں ہے۔حنین کے ساتھ۔تم جلدی آ گئے بیٹا۔'' ابا کو حیرت ہوئی۔

''زمر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' میں نہیں لے کر جاؤں گا تو وہ چیک اپ کے لئے نہیں جائیں گی۔''

سیم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔''بالکل ٹھیک ہیں وہ۔اور وہ کٹو بھی بالکل ٹھیک ہے۔''

فارس نے غور سے اسے دیکھا اور ساتھ آ بیٹھا۔''کیا ہوا؟''

''پھپھو کے دماغ کو کچھ ہو گیا ہے۔''

(تمہیں آج پتہ چلا ہے؟) مگر صرف سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''میری ساری چاکلیٹس لے لیں' اب اندر بیٹھی ہیں' اور ہنستی جا رہی ہیں' میں ایک دفعہ اندر گیا تو وہ کٹو کہتی' باہر جاؤ' ہم اس وقت بہت دکھی ہیں۔یار ماموں' دکھ دکھ میں دونوں میری ساری چاکلیٹس کھا گئی ہیں۔''

فارس نے اچنبھے سے بند دروازے کو دیکھا۔پھر اٹھ کر دستک دی۔حنہ نے دروازہ کھولا۔

''جج والی ویڈیو مل گئی ہے ہمیں۔دیکھیں اور آپ بھی انجوائے کریں۔'' مسکراتے ہوئے پین اس کی طرف بڑھایا۔فارس کی نظریں پیچھے صوفے پہ دراز زمر تک گئیں۔وہ چاکلیٹ کھولتے ہوئے مسلسل ہنستی جا رہی تھی۔

(استغفراللہ) وہ خفگی سے بڑبڑا کر پین لیے اوپر چلا گیا۔

.....❖❖❖.....

ہر اک قدم اجل تھا، ہر اک گام زندگی ..... ہم گھوم پھر کر کوچہ قاتل سے آئے ہیں

یہ چند دن بعد کا قصہ ہے۔ رات ہارون عبید کے گھر بھی ویسی ہی سیاہ اتری تھی۔ ڈائننگ ہال میں لمبی سی میز کے گرد شاہانہ طرز کی اونچی کرسیاں رکھی تھیں۔ سربراہی کرسی پہ ہارون براجمان تھے' اور دائیں ہاتھ بیٹھی جواہرات سے گفتگو کر رہے تھے۔ وہ رات کی مناسبت سے سیاہ لباس میں ملبوس تھی' گردن میں سیاہ نگوں اور ہیروں سے جگمگاتے نیکلیس پہ انگلی پھیرتی مسکرا کر ہارون کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ جواہرات کے دائیں ہاتھ آبدار بیٹھی' سر جھکائے چاولوں میں سست روی سے چمچ ہلا رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر جواہرات کو بھی دیکھ لیتی۔ ان نگاہوں میں ناراضی تھی' پوز یسو قسم کی ناراضی۔ تبھی آبی کے موبائل پہ پیغام آیا۔ ڈاکٹر نوید۔

''آبدار، دو کیسز مزید آئے ہیں، آپ کی ریکوائرمنٹ کے مطابق ہیں، انٹرویو ارینج کروا دوں؟'' وہ ایک دم خوشی سے ''جی شیور'' لکھنے لگی۔

''آبی!'' دفعتاً جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''تم اس روز ڈنر پہ نہیں آئیں' ہاشم تمہارا پوچھ رہا تھا۔'' آبی فوراً سنبھل گئی۔ ذرا سا مسکرائی۔

''آپ کو پتہ ہے میں پارٹیز' اور ڈنر پہ نہیں آیا کرتی۔ میں ہاشم سے معذرت کر لوں گی۔''

''اتنے سال بعد دوبارہ سے شہر مود کرنا' تمہیں مشکل تو نہیں ہوئی؟''

آبدار نے شانے اچکائے۔ ''مجھے سارے شہر اچھے لگتے ہیں۔ کراچی میں چند سال رہنے سے وہ بھی اچھا لگنے لگ گیا تھا۔''

''ہاشم میری کالز کا جواب نہیں دے رہا جواہرات۔'' ہارون نے گلہ کیا۔

''وہ جب سے واپس آیا ہے اپ سیٹ ہے، تم کچھ دن کے لیے میرے بیٹے کو تنگ نہ کرو تو اچھا ہے ہارون۔'' اور اس بات پہ فارمل سا قہقہہ بلند ہوا۔ آبی جبراً مسکرائی اور سر جھکائے منہ میں کچھ بڑبڑائی۔ دفعتاً نظر سرکے کی بوتل پہ پڑی۔ سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ احتیاط سے ان کو دیکھا۔ جواہرات ہارون کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اور یہ چائنیز کمپنی کا کیا مقصد ہے؟ ہاشم اور تم کن کاموں میں لگے ہو؟''

آبدار نے سرکے کی بوتل اٹھائی۔ بوتل چھوٹی تھی مگر اس پہ کوئی ٹیگ نہیں تھا۔ اس نے اپنے گلاس میں تھوڑا سا ڈالا' پھر... مصروف سے انداز میں جواہرات کے واٹر گلاس میں انڈیلا۔ اسے پورا بھرا۔ وہ دونوں ہنوز ایک دوسرے کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ قدرے فاصلے پہ کھڑے ملازم نے بے بسی سے آبدار کو دیکھا، مگر آبی کی ایک گھوری اور وہ چپ رہ گیا۔

آبدار نے معصومیت سے بوتل بند کر کے پرے رکھ دی اور بہت سنجیدگی سے کھانا کھانے لگی۔ مگر لبوں پہ مسکراہٹ مسلسل تھی۔

دفعتاً اجازت طلب کر کے احمر اندر داخل ہوا۔ آبدار نے چونک کر سر اٹھایا' پھر خفگی سے اسے اور پھر ہارون کو دیکھا۔

''بابا' کیا ڈنر ٹیبل پہ بھی کمپنی مینیجر کا ہونا ضروری ہے؟''

''احمر کو میں نے ہی بلایا تھا۔ لاؤ' پیپرز دو۔'' احمر نے مودب سے انداز میں پیپر بڑھایا تو انہوں نے عینک ناک پہ جماتے دستخط کیے۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر احمر کو دیکھا۔

''احمر شفیع.... تمہیں ہارون کے لئے میں نے ریکمنڈ کیا تھا۔ امید ہے تم نے ان کو مایوس نہیں کیا ہوگا۔''

احمر نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا' گویا شکریہ ادا کیا۔ پھر ڈیوٹی پہ کھڑی فلپینو میڈ کو مخاطب کیا۔

''سوزین پلیز مسز کاردار کا واٹر گلاس اٹھا لو' اس پہ ڈسٹ ہے۔ گلاس بدل کر لاؤ۔''

آبدار نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔ وہ سوزین کا انتظار کیے بغیر خود ہی گلاس اٹھا کر اسے پکڑانے لگا۔ آبی کی آنکھوں میں تلملاہٹ ابھری۔ احمر اسے دیکھے بغیر' کاغذ لئے واپس پلٹ گیا۔ وہ معذرت کر کے پیچھے آئی۔

''سنو احمر شفیع!'' لان میں تیزی سے چلتی آئی اور ناراضی سے اسے پکارا۔ احمر تسلی سے مڑا۔ ''جی؟''

''میرے ملازموں کی ہمت بھی نہیں ہے کہ میری ڈائینگ ٹیبل پہ مداخلت کریں' تو آپ کو کس نے اجازت دی کراکری ہٹانے کی؟''

''مِس عبید' ہم دونوں کو پتہ ہے آپ نے کیا کیا ہے۔ ایک کڑوا گھونٹ پی کر' ذرا سا کھانس کر' مسز کاردار یہاں آنا ترک نہیں کریں گی۔ اگر کچھ خراب ہوگا تو آپ کا اور آپ کے والد کا رشتہ۔''

وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

''مجھے فارسی میں گالیاں ذرا اونچی دیا کریں تاکہ مجھے سمجھ میں آئیں۔''

''اپنے دوست کی جگہ تمہیں مرڈر ہو جانا چاہیے تھا۔'' اس کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ آج پھر وہ کسی ''سیو سعدی'' واک سے واپس آیا تھا۔

''نوازش لیکن وہ صرف مسنگ ہے۔ امید ہے کہ زندہ ہوگا۔''

وہ جو خفگی سے اندر جانے لگی رکی۔

''تو تاوان نہیں مانگا کسی نے؟''

''نہیں۔ مگر وہ نیسکام کا سائنسدان تھا' تھرکول میں کام کرتا تھا' ایسا بندہ بذاتِ خود بہت قیمتی ہوتا ہے' تو یقیناً اس کو مقید رکھ کر اس سے قیمتی معلومات نکلوائی جا رہی ہوں گی۔ خیر یہ صرف ایک تھیوری ہے۔''

اور آبدار عبید' جو احمر شفیع پر فاتحہ پڑھ کر جانے لگی تھی' اور محض انسانی ہمدردی کے لئے چند سوال پوچھ لئے تھے' ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم کہہ رہے ہو کہ وہ تھرکول کا سائنسدان تھا' اور... اسے کسی نے کہیں چھپا رکھا ہے؟'' دل زور سے دھڑکا۔

''ہوں۔ اوکے۔ میں آفس جا رہا ہوں۔ آپ ڈنر مکمل کریں۔''

اور آبدار عبید وہی گم صم کھڑی رہی۔ ایک لمحے نے اسے قید کر لیا تھا۔

وہ الہام کا لمحہ تھا۔

.....❖❖❖.....

یہ غم جو اس رات نے دیا ہے ..... یہ غم سحر کا یقین بنا ہے

اس رات انیکسی کے تہہ خانے کی ساری بتیاں جلی تھیں' اور اس چھوٹے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ فارس اور حنہ کرسی پہ بیٹھے تھے' جبکہ زمر میز سے ٹیک لگائے کھڑی حنین کو بتا رہی تھی۔ کہ کس طرح انہوں نے پچھلے ساڑھے تین ماہ میں اس گن کے تمام خریداروں کا پتہ کیا۔ مگر بے سود۔ جائے وقوعہ کے آگے پیچھے سی سی ٹی وی کیمرے چیک کروائے' مگر ہر جگہ سے ریکارڈنگ صاف ملتی۔ ایمبولینسز' ائیر ایمبولینس' پرائیوٹ ڈاکٹرز' سعدی کے ہر ممکنہ دوست' ایک ایک سے ملے۔ وہ بتائے جا رہی تھی اور حنین سن رہی تھی۔ (کیا جنگ میں جانے والے اور پیچھے بیٹھے رہ جانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ جب وہ خود کو ہاشم میں مصروف رکھ رہی تھی تو یہاں کوئی راتوں کو جاگ جاگ کر ایک ناممکن کام کو ممکن بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہاشم، اف۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ کوئی ٹین ایج کرش نہ تھا کہ حقیقت معلوم ہونے پہ دل سے نکل جاتا اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگتی۔ وہ تو مرض عشق تھا اور آج بھی پہلے کی طرح جان لیوا تھا۔)

فارس دیوار پہ لگی جج کی تصویر دیکھ رہا تھا جب حنہ نے پکارا۔

''آپ کو ہسپتال یوں جلانا نہیں چاہیے تھا۔''

فارس نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''آپ کو ان دونوں میاں بیوی کو اندر لاک کر کے ہسپتال جلانا چاہیے تھا۔''

وہ ہلکا سا ہنسا۔ بہت دن بعد۔ شاید بہت سالوں بعد اس نے حنہ کو واپس موڈ میں دیکھا تھا۔ پھر آگے ہو کر لیپ ٹاپ کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ اسے کام سمجھایا۔

''تم یہ کر لوگی؟ شیور؟''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں!''

زمر کافی بنانے جا رہی تھی' آج پوری رات جاگ کر ہر چیز فائنل کرنی تھی۔ جاتے جاتے رکی۔ ''حنہ' تمہارے لئے کریم ڈالوں؟''

''جی۔ بالکل۔'' حنہ نے مسکرا کر کہا۔ زمر بھی مسکرا کر سر ہلاتی چلی گئی۔ فارس نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی' دوسری حنین پہ۔ پھر ٹائپ کرتے ہوئے سرسری سا تبصرہ کیا۔

''کسی کی بڑی دوستی ہو گئی ہے۔''

حنین نے چونک کر اسے دیکھا، پھر چمک کر بولی۔ ''کسی کو بڑی جلن ہو رہی ہے۔''

''واٹ ایور!'' اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ حنین مسکرا کر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔ صد شکر کہ دل کی حالتیں راز ہی رہتی ہیں' ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے....

اوپر زمر کچن میں کھڑی کافی بناتے ہوئے ندرت سے معمول کی باتیں کر رہی تھی۔ کھڑکی سے قصر کی پشت اور ہاشم کی بالکونی دکھائی دیتی تھی۔ زمر نے رخ بالکل موڑ لیا۔ کم از کم اگلے کچھ دن تک وہ ان کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی ورنہ خود پہ قابو رکھنا مشکل ہو جاتا۔ ابھی خود کو تیار کرنا تھا۔ مضبوط کرنا تھا۔ ایک لمبی اداکاری کے لیے۔

.....❖❖❖.....

ا ل سیہ شاخ کی کمان سے، جگر میں ٹوٹے ہیں تیر جتنے ..... جگر سے نوچے ہیں اور ہر اک کا ہم نے تیشہ بنا لیا ہے

دو ہفتے بعد' جب ستمبر دم توڑ رہا تھا' اور حبس اور گرمی کافی حد تک کم ہو چکی تھی' انیکسی پہ شام پھیلی تھی۔ فارس اپنے کمرے کے باتھ روم کے سامنے کھڑا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے' وہ ریزر سے آہستہ آہستہ شیونگ کریم وائپ کر رہا تھا۔ ایک وائپ۔ دوسرا وائپ۔ ایک جگہ ہلکا سا کٹ لگا تو وہ رکا۔ انگلی سے خون کی ننھی بوند کو چھو کر دیکھا۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری تپش تھی۔

(''میں نے تمہیں اپنے چیمبرز میں صرف اس لئے بلایا ہے فارس غازی تاکہ تم وہاں تماشا نہ کرو۔'' وہ میز کے سامنے ہتھکڑی میں کھڑا تھا' اور میز کے پیچھے کھڑے جج' کپ میں ٹی بیگ کھولتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''اب کہو جو تم نے کہنا ہے' اور پھر خاموشی سے غائب ہو جاؤ۔'')

فارس نے بلیڈ رکھا اور ٹوٹی کھولی۔ جھک کر ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھرا اور چہرے پہ ڈالا۔ ٹھنڈا پانی چہرے کو دھوتا' کچھ چھینٹے آئینے پہ بھی گراتا گیا۔

(''میں یہ نہیں کہوں گا کہ بے گناہ ہوں' یہ فیصلہ میرا کیس سننے کے بعد آپ کو کرنا ہے' صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرا کیس سنا جائے۔ پندرھویں دن کسی قربانی کے جانور کی طرح مجھے کورٹ لا کر ریمانڈ میں توسیع کر دی جاتی ہے۔ چھے چھے مہینے تک سماعتیں نہیں ہوتیں۔''

ہتھکڑی لگے ہاتھوں کو میز پہ رکھے' وہ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔ ''تاریخ ملے تو پراسیکیوٹر نہیں آتا' کبھی جج غائب ہوتا ہے' کبھی ہڑتال ہو جاتی ہے۔ میں دو سال سے چودہ' چودہ دن کی امید پہ جیل میں معلق ہوں۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے

باہر نہیں لانا چاہتا' پھر بھی' میں تم سب کو ایک موقع دیتا ہوں....'' ان کی آنکھوں میں دیکھ کر تو توڑ تو توڑ کر الفاظ ادا کیے۔ ''میرا....کیس....سنا جائے۔ ہر ہفتے سنا جائے۔ غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی نہ کیا جائے۔ جج صاحب!'')

وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے' سوچ میں گم ڈریس شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ تین....دو...ایک۔ اوپری بٹن کو کاج میں مقید کرتے' اس کی آنکھوں میں وہی سرد سی آگ تھی۔

(جج صاحب اپنی کرسی پہ بیٹھے۔ رعونت سے اسے دیکھتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا' پھر کپ رکھ کر آگے ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اگلی دفعہ اگر مجھے پکارنے کی غلطی کرنا' تو مجھے 'یور آنر' کہنا۔ سنا تم نے؟ یور آنر۔ کیونکہ میں....ایک عزت مآب عدالت کا آنریبل جج ہوں۔'' سینے پہ انگلی رکھ کر تکبر سے کہا۔ ''میں ایک مین آف آنر ہوں۔ اگر تم سے بات کر رہا ہوں تو اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھو۔ 'یور آنر' سنا تم نے؟ میں ایک سیلف میڈ آدمی ہوں۔ ایک دن میں عدالتِ عظمیٰ کا چیف جسٹس ہوں گا۔ اور تم جیسے آنر کلرز تب بھی جیل میں سڑ رہے ہو گے۔ تم مجھ پہ رشوت کا کیا الزام لگاؤ گے' پیسہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں....فارس غازی' میں جسٹس سکندر حسین ہوں۔ میں اپنے آنر کے لئے جیتا ہوں۔'')

وہ اب کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ گرے کوٹ پہنتے ہوئے اس نے اپنے عکس کو دیکھتے کالر درست کیے۔ پھر پرفیوم کی شیشی اٹھا کر اپنی گردن پہ اسپرے کی۔ لمحے بھر کے لئے آنکھیں بند کیں۔ خوشبو سی ہر جگہ پھیل گئی۔

(''تو تم پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہو کہ میں مجرم ہوں۔ اب میری بات سنو۔'' ہتھکڑیوں والے ہاتھ میز پہ رکھے' وہ کھڑے کھڑے جج کی طرف جھکا اور ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں پتہ ہے کون ہوں؟ میرے پاس وہ گنز کیوں ہوتی ہیں؟ کیونکہ میں....ایک...شکاری ہوں۔ اور میں قبر تک اپنے شکار کا پیچھا کرتا ہوں۔ اس لئے یور آنر' تمہیں میں اس کیس سے دستبردار ہونے کے لیے تو کہوں گا ہی' لیکن ایک بات اپنے مالکوں کو بھی بتا دینا۔'' بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ ''انہیں کہنا کہ ایک دن فارس غازی باہر ضرور آئے گا' اور اس دن۔۔فارس غازی ہو گا' جج بھی...جیوری بھی...اور جلاد بھی!'' پھر سر کو خم دیا۔ ''یور آنر!''

''فارس!'' وہ مسکرائے۔ ''جس دن میں سپریم کورٹ کے جسٹس کا حلف اٹھا رہا ہوں گا' اس دن بھی تم جیل میں سڑ رہے ہو گے۔'')

اس نے آنکھیں کھولیں۔ (اس واقعے کے ایک دن بعد اس نے جج کو کیس سے دستبردار ہونے کی درخواست دے دی تھی' جج ہٹ بھی گیا لیکن سعدی کے ہاتھ ویڈیو لگ جانے کے بعد۔۔سعدی نے سارا کھیل ترتیب دیا اور وہی جج دوبارہ اس کیس کی سماعت کرنے لگا۔)

فارس نے آہستہ سے کوٹ کا بٹن بند کیا۔ عکس میں اپنے پیچھے زمر آ کھڑی ہوتی دکھائی دی۔ وہ اس کی شرٹ کے کالر کو دیکھ رہی تھی۔

''تم ٹائی کیوں نہیں پہنتے؟'' فارس نے چہرہ موڑ کر انہی سرد تپتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ ٹائی مجھے پھانسی کے پھندے کی طرح لگتی ہے۔''

اور فارس غازی تو ایسی باتیں کیا کرتا تھا' لیکن آج سے پہلے اتنا درد...زمر نے نگاہیں چراتے سر جھٹکا۔ وہ سیاہ ڈریس میں بال ہاف باندھے' تیار کھڑی تھی۔

''تم تیار ہو؟''

''پوری طرح!'' وہ کہتے ہوئے چابیاں اٹھائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

.....❖❖❖.....